ہو چکا ہے، اردو مین بھی عرصہ ہوا، اس کا ترجمہ ہوا تھا، لیکن غالباً مکمل نہین ہے، دوسرے پرانا ہونے کی وجہ سے جدید مذاق کے مطابق نہین ہے، اس لئے مترجم مرحوم نے دوبارہ اس کا ترجمہ کیا تھا، اس کے دو حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، یہ تیسرا حصہ ہے، اس مین دو سو بیسوین رات سے چارسو اکسٹھوین رات تک کی حکایات ہین، ترجمہ کی صحت کا پورا اندازہ تو اصل سے مطابق کے بعد ہی ہو سکتا ہے، لیکن مترجم مرحوم عربی کے فاضل تھے، اس لئے امید یہی ہے کہ ترجمہ صحیح ہوگا، ترجمہ کی عبارت سے مترجم کی احتیاط پوری طرح ظاہر ہے، امید ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہوگا،

تذکرہ دار العلوم از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۱۲؎ پتہ حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن،

ہندوستان کی سب سے قدیم درس گاہ حیدر آباد کا مدرسہ دار العلوم تھا، جس نے اب جامعہ عثمانیہ کی شکل اختیار کر لی ہے، یہ دار العلوم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء مین قائم ہوا، سنہ ہجری کے حساب سے اس کے قیام کو نوّے سال ہو چکے، اس لئے گذشتہ سال اوس کی ۹۰ سالہ جوبلی منائی گئی تھی، اس طویل مدت مین دار العلوم پر مدوجزر، اور ترقی وتنزل کے مختلف دور گذرے، مصنف نے جوبلی کی یادگار مین اسکی ۹۰ سالہ سرگذشت قلمبند کی ہے، حیدر آباد مین یہ دار العلوم تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لئے اس سرگذشت مین حیدر آباد کی پوری تعلیمی تاریخ آگئی ہے، آخر مین دار العلوم کے تعلیم یافتہ اشخاص کی علمی ومذہبی خدمات کا ذکر اور ممتاز ونامور اشخاص کے نام دیدیئے ہین،

چاند سورج کی چوری از جناب جیم پی ہوتی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے قیمت ۸؎ پتہ: نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی،

یہ ایک جاسوسی افسانہ ہے جس مین ہیرون کی چوری اور اس کا انکشاف دکھایا گیا ہے، اس قسم کے افسانے عموماً دوسری زبانون سے ماخوذ ہوتے ہین، اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ مصنف کا طبعزاد ہے، اسکی تصدیق افسانہ کے پلاٹ سے بھی ہوتی ہے، اس مین پیچ اور حیرت انگیز واقعات کے بجائے سادہ طریقہ سے واقعات کو بیان کر دیا گیا ہے، تاہم افسانہ دلچسپی سے خالی نہین، "م"

جلد ۵۳ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۴ء عدد ۶

مضامین

شذرات

موجودہ جنگ کے مصائب سے دنیا تنگ آچکی ہے اور بڑے بڑے عقلا، و مفکرین آیندہ لڑائیوں کے انسداد اور مخلوق کو اس کی تباہیوں سے بچانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں، گو اس سلسلہ میں ابھی کوئی صریح اور متعین تجویز سامنے نہیں آئی ہے لیکن یقین ہے کہ اسی قسم کی کوئی مادی و سیاسی تدبیر ہوگی جیسی تدبیریں اس سے پہلے اختیار کی جاچکی ہیں، اور جن کی ناکامی کا تجربہ ہوچکا ہے، ممکن ہے ان تدبیروں سے لڑائیوں کا درمیانی وقفہ کچھ زیادہ طویل ہوجائے، لیکن ان سے ان کا انسداد ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ یہ لڑائیاں نتیجہ ہیں مغربی تمدن کی بنیادی خرابی کا، جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی دنیا کو امن و سکون حاصل نہیں ہوسکتا، جو تمدن و نظام حیات خدائے واحد کے یقین اور مذہب و روحانیت کے تصور سے خالی ہو اور جس کی بنیاد تمامتر مادیت پر ہو اس کا لازمی نتیجہ خود غرضی اور فساد فی الارض ہے، صرف زبان سے خدا کا نام لے لینا اور کسی مذہب کی جانب انتساب کافی نہیں ہے، جب تک اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو، انسانی فطرت خود غرض اور نفس پرست واقع ہوئی ہے، اس کو روکنے والی چند چیزیں ہیں، کسی اعلیٰ و برتر اور دانا و بینا ذات اور غالب و عادل قوت کا یقین، اعمال کے دنیوی یا اُخروی محاسبہ و مواخذہ کا خوف، ذاتی اخلاقی احساس و شرافت انسانی کا جذبہ، ان کے علاوہ دنیا کی کوئی اور طاقت انسانوں کو عالمگیر نظام اخلاق و شرافت انسانی کے ضابطوں کا پابند نہیں بناسکتی، فطری صالح اشخاص کے وجود اور ان کے انفرادی اخلاقی احساس سے انکار نہیں، ایسے اشخاص ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، لیکن من حیث القوم

مغربی قومیں اس احساس سے بالکل بیگانہ ہیں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اپنی قوم کے ساتھ جن کی ضابطہ کی پابندی ضرب المثل ہے وہ دوسری اقوام کے مقابلہ میں سب سے بڑی قانون شکن بنجاتی ہیں،

درحقیقت زندگی کے بارہ میں موجودہ تمدن کے خالص مادی تصور کے ساتھ عالمگیر اخلاقی احساس کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا، اس تصور نے مذہب و روحانیت سے قطع نظر خالص اخلاقی قدروں کو بھی ختم اور محدود قومیت و وطنیت نے عالمگیر انسانی اخوت و ہمدردی کا جذبہ بالکل سرد کردیا ہے، اور اپنی سیاسی سربلندی، اقتصادی برتری، ذاتی منفعت، تعیش کے زیادہ سے زیادہ وسائل کی فراہمی اور ان سے لذت اندوزی ہر قوم کا نصب العین بن گیا ہے، ان مقاصد کا لازمی نتیجہ خود غرضی، رشک و رقابت، اور جنگ و خونریزی ہے، اس لئے کہ ذاتی تفوق و برتری اور غیر محدود تعیش میں اخلاقی احساس، عالمگیر انسانی اخوت اور دوسروں کے حقوق کی گنجائش کہاں، چنانچہ اس تمدن کے پُرفخر کارنامے، علم و سائنس کی حیرت انگیز ترقی، مشینی صنعت و حرفت و تجارت کا غیر معمولی فروغ، مصنوعات کا تنوع اور ان کی کثرت اور تعیش کے سامانوں کی فراوانی ہی جنگ و خونریزی کا سبب بن گئے ہیں، جو قوم ان اسباب و وسائل کے لحاظ سے ترقی کے جتنے ہی بلند درجہ پر ہوگی، اتنے ہی وہ اپنی برتری کے قیام اور جلب منفعت کے لئے دوسری قوموں کے حقوق کی پامالی پر مجبور ہوگی، جس کا لازمی نتیجہ جنگ و خونریزی ہے، اس لئے جب تک اس بنیادی خرابی کی اصلاح نہ ہوگی، اسوقت تک دنیا کو جنگ و بدامنی سے نجات نہیں مل سکتی،

بہت سی قدیم قومیں جو اپنے دور کی تمدنی ترقی کے اعلیٰ مدارج پر تھیں، اس مادی تصور حیات اور عیش پرستی کی بدولت تباہ ہوچکی ہیں، کیا عجب ہے کہ آج بھی تاریخ اسی عبرت آموز سبق کو دہرا رہی ہو، اس لئے اگر یورپ کو

اپنی بقا منظور ہے تو اس کو اپنا تصورِ حیات بدلنا پڑے گا، اور خدا کے برحق قانون کے سامنے سرخم کرنا پڑے گا، ورنہ گذشتہ قومون کی طرح اس کی تاریخ بھی فسانۂ عبرت بنجائیگی، یہ محض خوش اعتقادی ہے کہ ایسا عالمگیر اور عظیم الشان تمدن تباہ نہیں ہوسکتا، روما کے دورِ عروج مین کون اس کے زوال کا یقین کر سکتا تھا، قومون کی بقا و فنا ان کے اعمال پر موقوف ہے، اور اس کا فیصلہ مستقبل کرتا ہے، تباہی کے معنی محض بے نام و نشان ہی ہو جانے کے نہیں ہیں، انسانی فلاح و سعادت کے بارہ میں کسی تمدن کی ناکامی بھی درحقیقت اس کی تباہی ہے، اس تمدن کی ناکامی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جو دنیا کو جنت ارضی بنا دینے کا مدعی تھا وہ آج اس کو جہنم بنا رہا ہے، خود یورپ کے مذہبی اور روحانی حلقون سے اس مادہ پرستی کے خلاف آوازیں بلند ہو رہی ہیں، لیکن سیاست کے نقار خانے مین چرچ کے طوطیون کی آواز کون سنتا ہے،

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن نے اپنی چھوٹی عمر مین اردو زبان کی جو گوناگون اور متنوع خدمات انجام دی ہیں اسکی مثال دوسرے ادارون مین مشکل سے ملیگی، اب اس کے نوجوان اور بلند ہمت کارکنون نے سارے ہندوستان میں اردو کی خدمت کے لئے ایک وسیع نظام کی ترتیب و قیام کی جانب قدم بڑھایا ہے، اور اس سلسلہ میں ۲۱، ۲۲، ۲۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو حیدرآباد میں ایک آل انڈیا اردو کانگریس منعقد کی ہے، اور اردو کے تمام بہی خواہون، خدمتگذارون اور ہندوستان کے ممتاز اہل علم و اصحاب قلم کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے، ادارۂ ادبیات اردو ایک علمی اور کارکن ادارہ ہے، اسلئے یقین ہے کہ یہ کانگریس عملی نتائج کے اعتبار سے بھی نتیجہ خیز ہوگی، اردو کے بہی خواہون کو اپنی شرکت اور مفید مشورون سے اس کو کامیاب بنانا چاہئے، شمالی ہند میں اس مقصد کے لئے انجمن ترقی اردو موجود ہے، اور اس کے کمسن لیکن جوان ہمت بزرگ جس ہمت و استقلال کے ساتھ اس کام میں منہمک ہیں وہ نوجوانون کے لئے باعثِ رشک ہے، اس قطب شمالی کے ساتھ قطب جنوبی کی حرکت بھی مفید ہوگی، اور امید ہے کہ ان دونون کے اتحاد و اشتراک عمل سے کرۂ اردو کی رفتار میں اور تیزی پیدا ہوگی،

مقالات

سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی خدمتِ حدیث

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

قطب الارشاد مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (م ۱۳۲۳)

امام وقت ابو حنیفۂ عصر امیر المومنین فی الحدیث تھے، شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے حدیث پڑھی، اور درس حدیث نبوی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا، علما نے آپ سے سند حدیث حاصل کی، جبتک بینائی قائم رہی، ہر سال دورۂ حدیث پورا کرتے تھے، جملہ صحاح ستہ پر آپ کی تقریرین ضبط کی گئی ہین، جن مین سے الکوکب الدری ترمذی پر دو جلدون مین شائع ہو چکی ہے، جو آپ کے اجل تلامذہ مولانا شیخ محمد یحییٰ کاندھلوی کی ضبط کردہ اور ان کے صاحبزادہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا استاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور کے تحشیہ کے ساتھ مزین ہے، ایک اور تقریر اردو مین النفخ الشذی کے نام سے شائع ہوئی ہے، آپ کی تقریرین تمام صحاح پر عربی، فارسی، اردو مین مولانا امان اللہ خان صاحب، اور مولانا سعد الدین خان صاحب کے پاس محفوظ ہین، خدا کرے اون کی اشاعت کا انتظام ہو جائے،

حضرت محدث گنگوہی کی تقاریر حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کو شرح معانی حدیث اور تطبیق متعارضات کا خداداد ملکہ عطا ہوا تھا، عدد رکعاتِ تراویح اور قرأت خلف الامام کے متعلق آپ نے مستقل رسالے بھی تالیف فرمائے، لطائفِ رشیدیہ مین بعض مشکل احادیث کا عجیب و غریب حل فرمایا ہے، جنکو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ فیوضِ ولی اللٰہی سے اللہ تعالیٰ نے بہت اعلیٰ حصہ آپ کو عطا فرمایا تھا،

کتب حدیث کی تلاش کا آپ کو بہت اہتمام تھا، سنن بیہقی کا نسخہ بڑی کوشش سے نقل کرا کے حاصل کیا، (جواب حیدرآباد میں مکمل طبع ہوگئی ہے)

مولانا کی اولیات میں سے یہ ہے کہ دورۂ حدیث میں ترمذی شریف کو مقدم کرتے تھے، کیونکہ موطا امام مالک اگرچہ اولیت اور افضلیت کے اعتبار سے سب پر مقدم ہے مگر صناعت حدیث میں ترمذی کا مقام بہت بلند ہے، امام ترمذی ہر حدیث پر جرحاً و تعدیلاً کلام کرتے ہیں، وجوہ علل سے خوب بحث کرتے ہیں جن کو سمجھ لینے کے بعد طالب علم کو فن حدیث سے پوری مناسبت ہو جاتی ہے، وہ ہر باب میں ایک دو حدیث روایت کرکے اسی باب کی دوسری احادیث کی جانب اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جس پر تحقیق کے ساتھ کام کرنے سے طالب علم کو وسعت نظر حاصل ہو جاتی ہے، ابواب الاحکام کے ہر باب میں اقوال فقہاء و مذاہب صحابہؓ و تابعین بھی بیان کر جاتے ہیں جس کا جاننا مقلد اور مجتہد دونوں کو ضروری ہے، ترمذی کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد ہی طالب علم کو بخاری کے لطائف اسناد اور تراجم ابواب کی خوبیاں نظر آسکتی ہیں، اس لئے بخاری کا درس ترمذی کے بعد ہوتا تھا، مگر ترمذی کی تقدیم کا یہ مطلب نہ تھا کہ موطا امام مالک سے بے اعتنائی کی جائے جیسا آج کل عموماً ہمارے مدارس میں مشاہدہ ہے، مقام شکر ہے کہ اب ہمارے نوجوان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے موطا امام مالک کی ضخیم شرح بنام اوجز المسالک تصنیف کرکے سنت ولی اللہی کو پھر زندہ کر دیا ہے، اب علما و طلبہ کو موطائے امام مالک پر بھی توجہ ہونے لگی ہے، جو سلسلۂ ولی اللہی کو ہونا چاہئے،

مولانا احمد حسن محدث امروہی متوفی ۱۳۳۰ھ

مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے تلامذہ میں بہت زیادہ ذکی اور استاد کے نور نظر تھے، درس حدیث کے لئے زندگی وقف کر دی تھی، استاد کی تقریریں آپ کو بہت محفوظ تھیں، اسی لئے آپ کا درس حدیث بہت مشہور تھا، آپ کے تلامذہ کے پاس وہ تقریریں محفوظ ہیں

مولانا محمد یحییٰ صاحب محدث کاندھلوی (ف ۱۳۳۴ھ)

مولانا گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، آخری دورۂ حدیث حضرت نے آپ ہی کی وجہ سے پڑھایا، آپ نے مولانا گنگوہی کی تمام صحاح پر تقاریر درس

کو بڑی قابلیت و ضبط و اتقان سے محفوظ فرمایا ہے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی جگہ سالہا سال درس حدیث دیتے رہے، بہت علماء آپ سے فیضیاب ہوئے، اس ناچیز کو بھی شرف تلمذ حاصل ہے، فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے چار نعمتیں عطا فرمائی ہیں جن سے مجھے اپنی مغفرت اور کامیابی کی قوی امید ہے، (۱) محبت شیخ و خدمت شیخ (۲) محبت قرآن و تجوید (۳) محبت رسول (۴) شغف حدیث، مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی حیات ہی میں آپ کا سہارنپور میں انتقال ہو گیا، تغمدہ اللہ برحمتہ و رضوانہ

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی محمد زکریا صاحب سلمہ جو الولد سر لابیہ کے پورے مصداق ہیں تالیف بذل المجہود میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے قوت بازو بنے، اور اب اپنے والد اور شیخ کی جگہ مدرسہ مظاہر علوم میں شیخ الحدیث ہیں اطال اللہ بقاءہ آمین۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ محدث دیوبند (ف ۱۳۳۹ھ)

آپ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دار العلوم کے بعد آپ کو صدر مدرس دار العلوم بنایا گیا، آپ سے بیشمار علمانے حدیث پڑھی، اور سند حاصل کی، ترمذی پر آپ کی تقریر طبع ہو چکی ہے، ابو داؤد شریف پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، دار العلوم دیوبند کے فارغین کے پاس آپ کی وہ تقریریں محفوظ ہیں، جو صحاح ستہ کے درس میں آپ نے بیان فرمائیں، جن سے آپ کی شان تحقیق ظاہر و باہر ہے، رسالہ عظمت وحی جو حدیث بدء الوحی کی شرح ہے، اور شرح تراجم ابواب بخاری آپ کی حدیث دانی کی کافی دلیل ہے، آپ کا علم بڑا عمیق تھا جس پر الادلہ و ایضاح الادلہ و احسن القریٰ شاہد عدل ہے، آپ کے زمانہ میں دار العلوم دیوبند کو بہت زیادہ ترقی ہوئی جس کو عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ۱۳۲۸ھ نے دنیا کے سامنے آفتاب کی طرح روشن کر دیا تھا،

شیخ وقت حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنی (ف ۱۳۴۶ھ)

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

حضرت مولانا اپنے وقت میں محدث عالی الاسناد فقیہ الوقت قطب الارشاد رئیس الاذکیا راس المناظرین تھے،

روحانی قوت بھی بہت زبردست تھی، آپ نے علم حدیث حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی سے حاصل کیا تھا جو مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے بعد مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تھے، مولانا محمد مظہر صاحب نے استاذ الکل مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی اور صدر الصدور مولانا صدر الدین دہلوی اور مولانا رشید الدین دہلوی سے جملہ علوم حاصل کئے، اور بخاری شریف شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی، پھر مولانا خلیل احمد صاحب نے قیام بھوپال میں حضرت مولانا عبدالقیوم بھوپالی سے بھی دوبارہ بخاری شریف، شمائل ترمذی اور کچھ حصہ مسلم شریف کا اور مسلسلات شاہ ولی اللہ اور نوادر و درثمین پڑھکر جملہ کتب حدیث کی اجازت حاصل کی، آخر کی ان تین کتابوں کی سند متصل اس زمانہ میں بجز مولانا کے کسی کے پاس نہ تھی، اس لئے علماء جوق جوق مولانا کے پاس آتے، اور ان کتابوں کی سند حاصل کرتے تھے، پھر اسی سال ۱۲۹۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور مکہ مکرمہ میں مولانا الشیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ سے روایت و اجازت حدیث حاصل کی، اور مدینہ منورہ میں محدث دار الہجرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سناکر اجازت حاصل کی اور مسلسل باجابۃ الدعاء فی الملتزم کی اجازت بالتفصیل حاصل کی، پھر ۱۳۲۳ھ میں جب تیسری بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تو مولانا السید احمد برزنجی مفتی الشافعیہ سے سند حدیث حاصل کی، اس وقت یہ ناکارہ بھی حضرت مولانا کے ہمراہ تھا، پھر ۱۳۲۹ھ میں مولانا السید بدر الدین محدث شام سے جو امام نووی کے مشہور دار الحدیث کے صدر نشین اور نہایت متبع سنت مرجع العلماء بزرگ تھے بذریعہ خط کے سند حدیث حاصل کی، اس سے حضرت مولانا کا شغف بالحدیث بخوبی واضح ہے، آپ اپنے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے صدر مدرس مقرر ہوئے، اور ساری عمر درس حدیث و تفسیر و فقہ میں گذری، آخر عمر میں بذل المجہود سنن ابی داؤد کی شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تصنیف فرمائی، اس کی تالیف ۱۳۳۵ھ میں شروع ہوئی، اور شعبان ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں تمام ہوئی، اور اس خوشی میں مدینہ منورہ کے اعیان و علماء کو دعوت دی گئی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ختم فتح الباری کے وقت مصر میں

شاندار ولیمہ کیا تھا، اس کتاب کے ختم کے بعد ہی آخر رمضان میں حضرت مولانا پر فالج کا اثر شروع ہوگیا، اور ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بقیع الغرقد میں قبور اہل بیت کے قریب دفن ہوئے، جو آپ کی دیرینہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ موت مدینہ اور جوار رسول عطا فرمائے، چنانچہ عطا کی گئی،

تو چنین خواہی خدا خواہد چنین
می دہد یزدان مراد متقین

بذل المجہود میں کیا ہے، اوس کو علماء خود سمجھ سکتے ہیں، مگر نمونہ کے طور پر چند باتیں عرض کردیتا ہوں (۱) کوئی بات اوس وقت تک نہیں لکھی گئی جب تک متقدمین کے کلام میں اس کی تائید نہ مل گئی (۲) مذہب حنفی کی پوری تحقیق اور کافی دلائل بیان کئے گئے، دوسرے مذاہب کے دلائل کا جواب بھی نہایت تحقیق سے دیا گیا (۳) ہر راوی کے متعلق پوری جرح و تعدیل صناعت حدیث کے موافق کی گئی (۴) جو روایات ابوداؤد میں معلق تھیں، ان کا دوسری کتابوں سے متصل ہونا ظاہر کیا گیا (۵) جو روایات ابوداؤد میں مختصر تھیں، ان کو دوسری کتابوں سے جہاں مفصل ہیں، مکمل طور سے بیان کیا گیا یا حوالہ دیدیا گیا، (۶) حدیث رسول کا منشا ظاہر کرکے وہ محاسن و حقائق بیان کئے گئے جن کا حظ فن دان محدث ہی اٹھا سکتا ہے (۷) بعض مقامات کو حضرت نے اول اپنی فہم کے مطابق املا کرایا، پھر خواب میں تنبیہ ہوئی کہ فلاں مضمون کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح لکھنا چاہئے، بیدار ہوکر کتابوں سے مراجعت کی گئی تو معلوم ہوا کہ خواب صحیح تھا، پھر اس مقام کو صحیح طور سے لکھا گیا، غرض اس کتاب کی تالیف میں تائید غیبی مولانا کی شامل حال تھی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ورفعہ فی اعلیٰ علیین درجۃ وکرامۃ آمین،

حضرت مولانا کو حدیث کی نادر قلمی کتابیں جمع کرنے کا بہت شغف تھا، ابوداؤد کی شرح ابن رسلان جو بہترین شرح ہے، مکہ معظمہ میں دستیاب ہوئی تو اوس کی نقل کراکر تالیف بذل المجہود میں اوس سے مدد لی، مصنف عبدالرزاق کی ایک جلد مدینہ منورہ میں ملی، اوس کی نقل کرائی، پھر کتب خانہ سندھ میں دوسری

جلد کا پتہ لگا، تو اوس کو نقل کرایا جمع الفوائد مجموعۂ جامع الاصول و مجمع الزوائد کا نسخہ مولانا عاشق الٰہی صاحب کو دستیاب ہوا، تو حضرت نے اس کے طبع کا حکم فرمایا، چنانچہ طبع ہو کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ گئی،

حافظ حدیث بحر العلوم مولانا سید انور شاہ کشمیری (ف ۱۳۵۲ھ)

آپ حضرت شیخ الہند کے جانشین اور مسند حدیث دار العلوم دیوبند کی زینت تھے، آخر عمر میں چند سال جامعہ ڈابھیل ضلع سورت کے بھی شیخ الحدیث رہے، آپکی قوت حافظہ کو دیکھ کر اسلافِ محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، درس کے وقت روایات و تحقیقات کا سمندر جوش مارتا ہوا نظر آتا تھا، ایک دفعہ اس ناکارہ نے مولانا کی بیاض پر ایک نظر ڈالی جس میں بطور یادداشت کچھ مولانا کچھ نوٹ کر لیا کرتے تھے، میں حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، کہ ایک ایک مسئلہ کے لئے مختلف کتابوں کے متعدد صفحات کا حوالہ درج تھا، جو مولانا کے کثرت مطالعہ اور وسعتِ نظر کی روشن دلیل تھی، کمال یہ کہ وہ یادداشتیں صرف کتاب ہی میں نہ تھیں، بلکہ دماغ میں بھی محفوظ تھیں، اور درس کے وقت ان کے حوالہ سے عجیب و غریب تحقیقات بیان ہوتی تھیں، آپ کی امالی میں سے فیض الباری چار ضخیم جلدوں میں مصر میں طبع ہوئی ہے، یہ بخاری شریف کے درس کی تقریر ہے، جو آپ کے بعض تلامذہ نے ضبط کی تھی، جامع ترمذی کی تقریر العرف الشذی دو جلدوں میں ہے، ابوداؤد کی تقریر بھی دو جلدوں میں ہے، سنن ابن ماجہ پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، قراۃ فاتحہ خلف الامام، اور صلوٰۃ الوتر اور رفع الیدین پر الگ الگ مستقل رسالے تصنیف فرمائے ہیں جن کو دیکھکر آپکے تبحر علمی اور حفظ حدیث اور وسعتِ نظر کی داد دینی پڑتی ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کتب نادرۂ علم حدیث و فقہ کے حاصل کرنے کا مولانا کو بڑا اہتمام تھا، معانی الآثار طحاوی کے رجال میں کتاب کشف الاستار بڑی محنت سے نقل کرائی، جو طبع ہو گئی ہے، کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں بہت کتابیں آپ کی محنت و طلب سے داخل ہوئیں،

محدث بنگال مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی (ف ۱۳۵۷ھ)

آپ مولانا حکیم الامت تھانوی کے اجل تلامذہ سے تھے، حضرت حکیم الامت کی جگہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ۲۵ سال تک درس حدیث و فقہ

و تفسیر دیا، آپ کا حافظہ بڑا عجیب تھا، تلاوتِ قرآن کی طرح بخاری شریف کا ایک پارہ تلاوت کرنے کا روزانہ معمول تھا، گویا اس زمانہ میں بخاری شریف کے حافظ تھے، ایک نجدی عالم نے مکہ معظمہ میں بعض مسائل میں آپ سے گفتگو کی، اثنائے کلام میں ایک حدیث کی بابت مولانا سے دریافت کیا، کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے، مولانا نے برجستہ جواب دیا، کہ چھ جگہ آئی ہے، نجدی عالم اس جواب سے متحیر ہو کر کہنے لگا، مجھے خبر نہ تھی کہ ہندوستان میں بھی حدیث کے حافظ موجود ہیں، مولانا نے موطا امام مالک کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی، دو چار صفحہ کی شرح ۱۲۵ صفحات میں لکھی گئی، مگر افسوس ہے پوری نہ ہوئی ورنہ عجائب روزگار سے ہوتی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

حکیم الامت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی صاحب محدث تھانوی نور اللہ مرقدہ (ف ۱۳۶۲ھ)

وہ حکیم امتِ مصطفےٰ وہ مجددِ طرقِ ہدیٰ ؛ وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اشرف علی منارۂ تقا شمس المعارف والتقی ؛ جو عمل سرا اپنے نمونہ عملِ صحابہ دکھا گئے

اسلامیانِ ہند کی یہ بزرگ ہستی ابھی چار مہینے پہلے ہماری نظروں کے سامنے تھی، اور ہمیں فخر تھا کہ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھتا کہ اس وقت مسلمانوں میں سلف کا نمونہ کون ہے؟ تو ہم یہ کہہ سکتے تھے، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا نے ایک قدم بھی خلافِ شریعت نہیں اوٹھایا، آپنے صرف اللہ پر نظر رکھکر کام کیا، کسی والیٔ ریاست یا سلطان ولایت پر کسی وقت نظر نہیں کی، آپ کی آٹھ سو کتابوں اور ہزارہا خطوط میں جو مردوں کے نام بھی ہیں اور عورتوں کے بھی، کوئی بات ایسی نہیں پیش کی جاسکتی، جس کو پڑھتے ہوئے تہذیب کے چہرہ پر جھینپ کے آثار نمودار ہوں[1]،

مولانا ابتدائے عمر ہی سے جب کہ اٹھارہ سال کی عمر تھی، مصنف تھے، اور آخر عمر تک مصنف رہے، ایسا مصنف جس نے تقریبًا ہر علم میں تصنیف کی ہو، اور اتنی کثیر مقدار میں کتابیں لکھی ہوں، امام سیوطی کے بعد

---

[1] مسائل مخصوصۂ زنان اور مسائلِ طبیہ کو رہنے دیجئے کہ وہ عورتوں کے مطالعہ کے لئے ہیں، درس و تدریس کے لئے نہیں ہیں، اور انکی ضرورت سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا، پھر وہ مولانا کی تصنیف نہیں ہیں، بلکہ ان کے شاگردوں کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں،

مولانا کے سوا نہیں دیکھا گیا، وعظ اور خوش بیانی مین تو بے نظیر تھے ہی، کہ جس جلسہ مین تقریر کو کھڑے ہوئے پھر کسی کی تقریر سامعین کو پسند نہ آتی تھی، مولانا نے اپنی تصانیف سے دنیوی نفع کبھی حاصل نہیں کیا، نہ کسی کتاب کا حق تصنیف کسی سے لیا، تمام کتابین اللہ کے لئے اور اصلاحِ امت کے لئے لکھین، اور ہر شخص کو چھاپنے کی اجازت دیدی،

مین اس وقت صرف آپ کی خدمتِ حدیث پر روشنی ڈالنا چاہتا ہون، کیونکہ عام طور پر مسلمان آپ کو ایک صوفی، عالم، مفسر، فقیہ، واعظ کی حیثیت ہی سے پہچانتے ہین، حالانکہ خدمتِ حدیث بھی اس زمانہ مین آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آپکے تاجِ مجددیت کا درخشان گوہر ہے، آپنے علم حدیث کی باقاعدہ سند ملا محمود دیوبندی اور مولینا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، اور مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند سے حاصل کی، ملا محمود صاحب اور مولینا محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبد الغنی صاحب سے حدیث پڑھی، اور مولانا محمود حسن صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحب سے،

حضرت حکیم الامۃ کو قاری عبد الرحمن صاحب محدث پانی پتی سے بھی سند حدیث حاصل ہے، اور مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے بھی بعض کتب حدیث پڑھکر سند حاصل کی ہے، پندرہ برس تک مدرسہ جامع العلوم کانپور مین باقاعدہ حدیث کا درس دیا، اور آپکے شاگردون مین بکثرت محدثین پیدا ہوئے، جن مین مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے زیادہ روشن ہی،

حضرت مولانا حکیم الامت نے سنہ ۱۳۱۵ھ مین توکلاً علی اللہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون مین قیام فرمایا، اس وقت سے باقاعدہ درسِ حدیث کا سلسلہ ملتوی ہوگیا، اور ہمہ تن تزکیہ و تربیتِ قلوب و اصلاحِ امت مین مشغول ہوگئے، مگر علما اس مدت مین بھی آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے رہے، علامہ محقق محمد زاہد کوثری مصری نے جو مصر کے اجلۂ علما محققین و مصنفین سے ہین، بذریعہ خط کے حضرت سے حدیث کی سند حاصل کی، اسانید حدیث مین مولانا کا رسالہ السبعۃ السیارہ طبع ہوچکا ہے، ترمذی پر آپ کا حاشیہ الثواب الجلی بھی طبع

ہوچکا ہے، دوسرا حاشیہ المسک الذکی بصورت مسودہ مکمل ہے، ایک چہل حدیث بھی طبع ہوچکی ہے، جس مین مسلم شریف سے چالیس حدیثین نسخہ ہمام کی جمع کی گئی ہین، جن کو معمر ہمام بن منبہ سے وہ ابوہریرہ سے اور ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہین، سب حدیثون کی سند ایک ہی ہے، مولانا کے مواعظ و رسائل مین میرے اندازمین پانچ ہزار حدیثون سے کم نہین جن کی شرح کرکے امت کو تبلیغ کی گئی ہی،

سنہ ۱۳۳۰ھ مین آپ کو دلائلِ حدیثیہ للحنفیہ کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، تو جامع الآثار اور تابع الآثار دو رسالے تصنیف فرمائے، جن مین ابواب الصلوۃ تک وہ حدیثین جمع کی گئین جو حنفیہ کی دلیل ہین، پھر تمام ابواب کے دلائل کا استیعاب کرنا چاہا، اور احیاء السنن کے نام سے ضخیم کتاب ابواب الحج تک تالیف فرمائی، مگر جس عالم کو اس پر نظر ثانی کے لئے متعین کیا گیا تھا، اوس نے اپنی رائے سے اس مین اس قدر ترمیم و تنسیخ کردی، کہ مولانا کی تصنیف باقی نہ رہی، بلکہ مستقل کتاب ہوگئی، اس لئے اوس کی اشاعت ملتوی کردیگئی، اور حضرت کے منشا کے موافق دوبارہ اس مہم کام کو انجام دیا گیا، پندرہ سال سے کچھ زیادہ مدت مین ابواب الصلوۃ سے ابواب المیراث تک جملہ ابوابِ فقہیہ کے دلائلِ احکام حدیث سے جمع کردیے گئے،

یہ کتاب جس کا نام اعلاء السنن ہے، بیس جلدون مین تمام ہوئی ہے، ابتدا کی آٹھ جلدین حرفاً حرفاً حضرت حکیم الامۃ کی نظر سے گذر چکی ہین، بقیہ جلدون مین مشکل اور اہم مقامات حضرت کے سامنے پیش کئے گئے ہین، حضرت حکیم الامۃ کو اس کتاب کی تکمیل سے جسقدر مسرت ہوئی ہے، اوس کو لفظون سے بیان نہین کیا جاسکتا، فرماتے تھے، کہ اگر خانقاہ امدادیہ مین اعلاء السنن کے سوا اور کوئی کتاب بھی تصنیف نہ ہوتی، تو یہی کارنامہ اوس کا اتنا عظیم الشان ہے، کہ اسکی نظیر نہین مل سکتی، اس مین صرف حنفیہ ہی کے دلائلِ حدیثیہ نہین بلکہ متن کتاب مین

لہ قدر اللہ اتمامہ واکمالہ علی ید ہذا العبد الغریق فی الآثام واقل الانام ظفر احمد العثمانی التھانوی ولیس لی فیہ غیر الرسم والاسم والشیخ نور اللہ مرقدہ ہو الروح فی ہذا الجسم،

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔ آنچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

احادیث موید وحنفیہ ہین، اور حواشی مین بڑی تحقیق اور تفتیش سے جملہ احادیث احکام کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے، بحر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ وفقیہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے، کوشش کیگئی ہو کہ ہر مسئلہ مختلف فیہا مین حنفیہ کے سب اقوال کو تلاش کیا جائے، پھر جو قول حدیث کے موافق ہوا، اوسی کو مذہب حنفی قرار دیا گیا، تحقیق کامل کے بعد پورے وثوق سے کہا جاتا ہو کہ جس مسئلہ مین حنفیہ کا ایک قول حدیث کے خلاف ہوگا، تو دوسرا قول حدیث کے موافق ضرور ہوگا، یا کوئی حدیث یا آثار صحابہ اون کے قول کی تائید مین ہون گے، آپ کو حیرت ہوگی کہ مسئلہ مصراۃ مین بھی امام ابوحنیفہ کا ایک قول حدیث صحیح کے بالکل موافق ہے، جس کو علامہ ابن حزم نے محلی مین روایت کیا ہے، اعلاء السنن مین تقلید جامد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ تحقیق فی التقلید سے کام لیا گیا ہو، جس مسئلہ مین حنفیہ کی دلیل کمزور تھی، وہان صاف طور سے ضعف دلیل کا اعتراف کیا گیا، اور دوسرے مذاہب کی قوت کو تسلیم کیا گیا ہو،

جن حضرات کو مذہب حنفی پر مخالفت حدیث کا اعتراض ہے، وہ انصاف سے کام نہین لیتے، جس مذہب مین مرسل ومنقطع بھی حجت ہے، اور راوی مستور الحال کو قبول کیا گیا ہے، قول صحابی کو بھی قیاس سے مقدم مانا گیا ہے اوس سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا کون ہوسکتا ہے، ؟ بات یہ ہے کہ خبر واحد کی تصحیح وتضعیف مین جس طرح باہم محدثین مین اصولی اختلاف ہے، اسی طرح حنفیہ کو بھی بعض مقامات مین محدثین سے اصولی اختلاف ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک صحت خبر واحد کے لئے یہ بھی ضروری شرط ہے، کہ وہ اصول مشہورہ کے خلاف نہ ہو، اور یہ اصول قیاسی نہین، بلکہ نصوص قرآنی اور احادیث مشہورہ سے ماخوذ ہین، بعض علماے عصر نے حنفیہ کے کلام مین موافقت اصول کی شرط دیکھکر جو یہ دعوی کیا ہے، کہ حنفیہ روایت پر درایت کو مقدم کرتے ہین، یہ صحیح نہین ہے، حنفیہ کے نزدیک تو حدیث ضعیف اور مرسل بھی قیاس سے مقدم ہے، وہ درایت کو روایت پر مقدم کیسے کرسکتے ہین؟ حنفیہ کی مراد موافقت اصول سے اُن اصول کی موافقت ہے، جو نصوص قرآنیہ اور سنت مشہورہ سے ماخوذ اور امت کے نزدیک مسلّم ہین، یہ اور بات ہے کہ یہ اصول درایت کے

قیاس کے موافق بھی ہین، مگر قیاس سے ماخوذ نہین، (ملاحظہ ہو ملفوظات عزیزیہ ص ۱۱۵ و ۱۲۶ طبع مجتبائی میرٹھ) اس قاعدہ کی بنا پر حنفیہ بعض بعض دفعہ ضعیف حدیث کو صحیح حدیث پر مقدم کردیتے ہین، کیونکہ ضعیف موافق اصول ہے، اور صحیح خلاف اصول، مگر وہ کسی حدیث کو رد نہین کرتے، بلکہ حدیث مرجوح کا بھی اچھا محمل بیان کردیتے ہین، جس کی تائید حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے بخوبی واضح ہوجاتی ہے، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک آثار واقوال صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے مین بڑا دخل ہے، وہ ہر خبر واحد کو آثار صحابہ کی روشنی مین سمجھنے کی کوشش کرتے ہین، یہ ایک اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کرنا چاہئے،

اس کتاب کا مقدمہ بھی مستقل کتاب کی صورت مین الگ چھپ چکا ہے، جس مین حنفیہ کے اصول حدیث جمع کئے گئے ہین، اور ثابت کیا گیا ہے، کہ جن اصول مین حنفیہ عام محدثین سے متفرد ہین، ان مین بھی بعض محدثین ان کے موافق ہین، پھر مقدمہ فتح الباری کی ایک طویل فصل کا خلاصہ لکھ کر ثابت کیا گیا ہے، کہ امام بخاری جیسا محدث بھی بعض دفعہ حنفیہ کے اصول پر چلنے کے لئے مجبور ہوجاتا ہے، پس جب تک حنفیہ کے اصول حدیث سے پوری واقفیت حاصل نہ ہوجائے، اُس وقت تک اون کی کسی دلیل کو کسی محدث کے ضعیف کہنے سے ضعیف نہین کہا جاسکتا،

الحمدللہ اس کتاب کی تکمیل سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی وہ بات پوری ہوگئی، جس کو اونھون نے فیوض الحرمین مین کبریت احمر واکسیر اعظم تبلایا ہے،

قال عرفنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	فرماتے ہین کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی	نے تبلایا ہے کہ مذہب حنفی مین ایک طریقہ بڑا
طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق	عمدہ ہے، جو اوس طریق سنت کے بہت زیادہ
بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت	موافق ہے، جو بخاری اوران کے اصحاب کے
ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ	زمانہ مین مدون اور منقح ہوچکا ہے وہ یہ کہ

وذلک ان یوخذ من اقوال الثلاثة قول اقربھم بھا فی المسئلة ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقھاء الحنفیین الذین کانوا من اھل الحدیث فرب شیٔ سکت عنہ الثلاثة فی الاصول وما تعرضوا لنفیه ودلت الاحادیث علیه فلیس بد من اثباته والکل مذھب حنفی، اھ

(ائمہ) ثلاثہ (ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ) کے اقوال میں سے اوس قول کو لیا جائے، جو اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حدیث کے قریب ہو، پھر ان فقہائے حنفیہ کے جو محدثین میں سے تھے اختیارات کا تتبع کیا جائے، کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن سے ائمۂ ثلاثہ نے ظاہر روایت میں سکوت کیا ہے، اور ان کی نفی سے تعرض نہیں کیا، اور احادیث اون پر دلالت کر رہی ہیں، تو ان کو ثابت ماننا ضروری ہے، اور یہ سب مذہب حنفی ہوگا، (مذہب سے خارج نہ ہوگا)

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں، :-

وھذہ الطریقة ان اتمھا اللہ تعالی و اکملھا فھی الکبریت الاحمر والاکسیر الاعظم

(شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اگر اللہ تعالی اس طریقہ کو پورا کردیں تو وہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہوگا،

الحمد للہ یہ طریقہ کبریت احمر و اکسیر اعظم شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے دور تجدید میں پورا ہوگیا، کیونکہ اعلاء السنن میں یہی کیا گیا ہے، کہ ائمۂ ثلاثہ اور علمائے حنفیہ کے اقوال کا پورا تتبع کرکے جو قول حدیث کے زیادہ موافق ملا، اوسی کو مذہب قرار دیا گیا،

اس وقت تک اس کتاب کی گیارہ جلدیں طبع ہوچکی ہیں، نو جلدیں بصورتِ مسودہ رکھی ہوئی ہیں جن میں سے تین کی کاپی ہوچکی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے، حضرت حکیم الامۃ کی جماعت کا خصوصاً اور تمام مسلمانوں کا عموماً فرض ہے کہ اس کتاب کی تکمیل طباعت میں پوری کوشش کریں،

علامہ محمد زاہد کوثری مصری نے ان کی دس جلدوں پر نظر فرماکر اپنی طرف سے مفصل تقریظ جریدۃ الاسلام مصر میں شائع فرمائی ہے، جس کو دیکھکر اندازہ ہوسکتا ہے کہ بیرون ہند کے علماء نے اس کتاب کو کس وقعت کی نظر سے دیکھا ہے، ان کی تقریظ کے آخری چند جملے یہ ہیں، فرماتے ہیں، :-

والحق یقال انی دھشت من ھذا الجمع وھذا الاستقصاء ومن ھذا الاستیفاء البالغ فی الکلام علی کل حدیث بما تقتضی به الصناعة متنا وسندا من غیر ان یبدو علیه آثار التکلف فی تائید مذھبه بل الانصاف رائده عند الکلام علی آراء اھل المذاھب فاغتبطت به غایة الاغتباط وھذا تکون ھمة الرجال وصبر الابطال الحال اللہ بقائه فی خیر وعافیة ووفقه لتالیف امثاله من المولفات النافعة

حق بات کہنا پڑتی ہے میں تو اس طرح حدیثوں کے جمع کرنے تلاش کرنے اور پوری طرح ہر حدیث کے متن و سند پر فنِ حدیث کے موافق مفصل کلام کرنے سے حیرت میں رہ گیا، پھر خوبی یہ ہے کہ اپنے مذہب کی تائید میں تکلف کے آثار کا نام و نشان نہیں، بلکہ جملہ اہلِ مذاہب کی رایوں پر انصاف کو امام بنا کر کلام کیا گیا ہے مجھے اس کتاب سے بے انتہا خوشی ہوئی، ہمتِ مردانہ اسے ہی کہتے ہیں اور بہادروں کا استقلال ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالی مولف کو خیر و عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے اور اس جیسی اور تالیفات کی توفیق دے (آمین)

حضرت حکیم الامۃ نے ایک طرف مذہبِ حنفی کو احادیث کی روشنی میں منقح فرمایا، اور دوسری طرف مسائل سلوک و تصوف کو قرآن کی آیاتِ کثیرہ سے مجتہدانہ شان کے ساتھ مدون فرمایا، جس کا نام مسائل السلوک ہے، پھر احادیث تصوف کو کتاب التکشف باحادیث التصوف میں جمع فرمایا اور دنیا کو بتلا دیا کہ صحیح اسلامی تصوف صرف قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے، اوس کا کوئی مسئلہ بھی کسی غیر اسلامی ماخذ سے لیا ہوا نہیں، التکشف سے پہلے احادیث تصوف میں مستقل کتاب سننے میں نہیں آئی، الحمد للہ اس کتاب نے صحیح اسلامی تصوف سے مسلمانوں کو روشناس کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ حکیم الامۃ رح کی جماعت میں کوئی صاحب ہمت اس موضوع کی تکمیل کے لئے

قدم آگے بڑھائین، کیونکہ التشرف مین ہنوز جملہ احادیث تصوف کا استیعاب نہین ہوا،

اب مین سلسلۂ ولی اللٰہی کی چند عظیم الشان شروح حدیث کا تذکرہ کرنا چاہتا ہون جن کے مصنف بحمد اللہ اس وقت بقید حیات ہین،

فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی شیخ الحدیث جامعۂ ڈابھیل کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے جس میں مسلم شریف کی شرح محدثانہ فقیہانہ و متکلمانہ انداز سے کی گئی ہے، جن احادیث پر آج کل عقلی اشکالات کئے جاتے ہین، ان کے جوابات متکلمانہ طرز استدلال کے ساتھ بہت خوبی سے دیئے گئے ہین، جا بجا نکات تصوف بھی بیان کئے گئے ہین، اس طرح یہ کتاب سلسلۂ ولی اللٰہی کی حدیث دانی، تفقہ اور علم کلام و تصوف کی آئینہ دار بن گئی ہے، پانچ ضخیم جلدون مین تمام ہونے کی امید ہے، اس وقت تک تین جلدین طبع ہو چکی ہین، سرکار نظام والیٔ دکن خلد اللہ ملکہ کی امداد مالی مولف کے شامل حال ہے، امید ہے کہ بقیہ جلدین بھی جلد طبع ہو جائین گی، جلد اول کے شروع مین مقدمہ علم حدیث قابل دید اور بہت مفید ہے،

اوجز المسالک فی شرح الموطا المالک

یہ ہمارے نوجوان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی بہترین تالیف ہے، اس سے پہلے آپنے شمائل ترمذی کی شرح بھی اردو مین بہت عمدہ لکھی ہے، جو بیحد مقبول ہوئی، اوجز المسالک موطا مالک کی بے نظیر شرح ہے، ہر مسئلہ مین فقہاء اربعہ کے مذاہب نہایت بسط و ایضاح سے بیان کئے گئے ہین، جملہ مذاہب کے دلائل بھی اجمالاً بیان کئے گئے ہین، اگرچونکہ اس کا موضوع شرح موطا ہے، اس لئے جملہ مسائل و احکام سے تعرض نہیں کیا گیا، صرف انہی مسائل سے بحث کی گئی ہے، جن سے موطا مین تعرض ہے، اس مین بلاغات و مراسیل و مقاطیع کو موصول کرنے کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے، جو شارح کی وسعت نظر کی بڑی دلیل ہے، پہلی جلد کے ساتھ ضخیم مقدمہ ملحق ہے، جو بہت ہی کارآمد اور مفید ہے، تین جلدین طبع ہو چکی ہین، بقیہ زیر تالیف و زیر طبع ہین، گرانی کاغذ سد راہ بن رہی ہے، اطال اللہ بقاء مولفہ و وفقہ لا متالہ (آمین) آپکے چچازاد بھائی مولوی محمد یوسف سلمہ بھی ماشاء اللہ

نوعمری ہی مین مصنف ہین، شرح معانی الآثار طحاوی پر بڑی محنت سے کام کر رہے ہین، امید ہے کہ طحاوی کا یہ حاشیہ بے نظیر ہوگا، علماے حنفیہ کا فرض ہے کہ شرح معانی الآثار طحاوی کی پوری طرح خدمت کرین ابھی تک اس کتاب کے شایان شان کام نہین ہوا، امید ہے کہ مولوی محمد یوسف سلمہ اس فرض کو بخوبی انجام دین گے، وفقہ اللہ واعانہ (آمین)

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح

یہ ہمارے نوجوان محدث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تالیف ہے، عربی زبان مین مشکوٰۃ شریف کی بہترین شرح ہے، دمشق مین طبع ہوئی ہے، میری نظر سے چار جلدین گذری ہین، خود مولف سے بھی بعض مقامات کو سنا ہے، مولف کی محنت، وسعت نظر، سلیس طرز بیان قابل داد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان علما کو اس قسم کی محنت و تحقیق کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائین، آمین (کثر اللہ امثالھم وتقبل اعمالھم) قصبہ کاندھلہ کے لئے یہ فخر حاصل ہے، کہ اوس مین بیک وقت تین چار محدث موجود ہین، اور ہر ایک صاحب تصنیف ہے،

بغیۃ الالمعی حاشیۃ نصب الرایۃ للزیلعی

یہ علمائے مجلس علمی جامعہ ڈابھیل کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اس وقت تک ہندوستان مین نصب الرایۃ کا ایک ہی نسخہ مطبوعہ نولکشور علماء کے سامنے تھا، جو بہت زیادہ محتاج تصحیح تھا، مجلس علمی جامعہ ڈابھیل نے بڑی محنت سے اوس کی تصحیح کی پھر اوس پر بہت نفیس حاشیہ لکھوایا، اور عمدہ کاغذ پر خوبصورت جلی حروف مین مصری ٹائپ سے طبع کرا کر شائع کیا، یہ بہت بڑی خدمت حدیث ہے، جو مجلس علمی کے علماء نے انجام دی ہے جزاھم اللہ احسن الجزاء و وفقھم لا متالہ،

سیرۃ النبی و سیر الصحابہ و سیر الصحابیات و سیر التابعین و اسوۂ صحابہ

یہ دار المصنفین شبلی منزل اعظم گڈھ کا اردو زبان مین بڑا بلند اور مفید کارنامہ ہے، جس مین حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ اور قرن اول کے رجال حدیث کی مفصل تاریخ ضبط کی گئی ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے حدیث پڑھی ہے، علامہ شبلی کے حنفی ہونے مین کسی شک و شبہہ کی اصلاً گنجایش نہین، انکی اسکات المعتدی

فی قراءۃ المقتدی اور سیرۃ النعمان اور نعمانی لقب اس پر شاہد ہے، علمائے دار المصنفین علامہ شبلی ہی کے جانشین ہین، ان کے حنفی ہونے مین بھی کسی طرح کلام نہیں ہوسکتا، پس ان کی یہ تمامتر خدمتِ حدیث سلسلۂ ولی اللّٰہی کی اسی شاخ کا رنامہ ہے، جو اپنے کو حنفی کہتے ہین، ان کو حنفیہ سے الگ کرنا انصاف کا خون کرنا ہی، سیرۃ النبی کی چھ جلدین اور سیر الصحابہ کی دس جلدین اور تابعین کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے، ہر جلد کافی ضخیم ہے، اور یہ بہت بڑی خدمت حدیث ہے، جو دار المصنفین کے علماء نے انجام دی ہے، حق کو چھپایا نہین جاسکتا، ہم کو سیرۃ النبی کے بعض مقامات پر اعتراض بھی ہے، اور مقام شکر ہے کہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی ان کی اصلاح پر توجہ فرما رہے ہین،

یہ مختصر تذکرہ ہے سلسلۂ ولی اللّٰہی حنفی کی خدمتِ حدیث کا جس سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا، کہ آج اس سلسلہ کی برکت سے ہندوستان مین علم حدیث کا مینارہ اتنا بلند ہے، کہ ممالک اسلامیہ مین کوئی ملک اوسکی ہمسری نہیں کرسکتا، جامع ازہر مصر کے مشہور ناقد و بصیر عالم سید رشید رضا مرحوم نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ مین اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ سے کیا ہی،

ولو عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث	اگر ہمارے برادران علمائے ہندوستان اس زمانہ مین علوم حدیث
فی ھذہ العصر لقضی علیھا بالزوال	پر توجہ نہ کی ہوتی تو اس علم کے زوال و فنا کا فیصلہ ہو چکا ہوتا

اور اگر خدمتِ درس و تالیف کے ساتھ ان خدمات کو بھی ملا لیا جائے جو کتب نادرۂ علم حدیث کی اشاعت و طبع مین اس سلسلہ نے بالخصوص دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن نے انجام دی ہین[2] تو بلا مبالغہ اس وقت سرزمین ہند نے آفتاب علم حدیث کی روشنی کو بہت دور دور تک پہنچا دیا ہے ذلك من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون،

---

[1] معارف: مصنفین دار المصنفین کا سلسلۂ حدیث شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ حضرت مولانا ابو الحسنات عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر او پر سلسلہ او پر مذکور ہے، سلسلۂ ولی اللّٰہی سے بھی بحمد اللہ متصل و مسلسل ہے" س"

[2] یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہو کہ مصححین و ناشرین و ناقلین دائرۃ المعارف کا تقریباً نصف حصہ علمائے ندوۃ العلماء سے متعلق ہے، اور یہ سب بھی اسی سلسلہ ذہب سے مربوط ہین، (س)

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۳)

ایسی غیر مملوکہ چیزین جن مین قبضہ کے بعد بھی انفرادی ملکیت پیدا نہین ہوتی، ان کی ممکنہ حد تک تفصیل کو اس نقطہ پر ختم کر کے اب ان غیر مملوکہ امور کے بھی کچھ احکام سننے چاہئین، جن مین قبضہ کے بعد انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے،

بنجر غیر آباد زمینون کی ملکیت کے قوانین

اسلامی قانون مین ممالک محروسہ کی ایسی غیر آباد زمینین اور علاقے جن کا کوئی مالک نہ ہو، خواہ وہ کبھی آباد نہ ہوئی ہون، یا آباد ہونے کے بعد اس طرح ویران ہوگئی ہون کہ ان کا کوئی مالک باقی نہ رہا ہو، ان کا اسلامی نام (موات) یا مردہ بنجر زمین ہے، بظاہر یہ خیال کیا جاتا ہو کہ اس قسم کی زمینون کی مالک حکومت ہے، اور اس لئے حکومت کی اجازت کے بغیر عام طور سے دنیا مین بھی دستور مروج ہے، کہ حکومت یا بادشاہ وقت کی اجازت کے بغیر ایسی زمینون، پہاڑون، جنگلات وغیرہ پر کوئی تصرف نہین کرسکتا، اور نہ کوئی ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے، لیکن اسلام کا نقطۂ نظر اس باب مین بالکل مختلف ہو، وہ اس قسم کی تمام زمینون کو بھی ملک کے عام باشندون کا مشترکہ سرمایہ قرار دیتا ہے، اور بنجر

ان چند مستثنیٰ زمینون اور معادن کے سوا جن کا ذکر گذشتہ فصل مین بہ تفصیل ہو چکا ہے، رعیت کے ہر فرد کا یہ قانونی حق ہے، کہ ان کو بغیر کسی معاوضہ (مالگذاری) ادا کئے، قبضہ کر کے اپنی ملک بنالے، اس باب مین مسلمانون کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مشہور فرمان ایک ابدی وثیقہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے راوی تقریباً تمام محدثین ہین، مثلاً امام مالک، امام ترمذی، ابو داؤد وغیرہ سب کی کتابون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے، کہ

من احیا ارضاً میتۃ فھی لہ، (بخاری)

کسی مردہ غیر آباد زمین کو جو آباد کرے گا یہ زمین اسی کی

اسی بنا پر علامہ مقدسی نے مغنی مین تمام ائمۂ اسلام کا یہ اجماع نقل کیا ہے کہ

عامۃ فقہاء الامصار علی ان الموات یملك بالاحیاء،

فقہائے امصار کا عامۃ اس پر اتفاق ہے، کہ احیاء (آباد کرنے) کی وجہ سے وہ آباد کرنیوالے کی ملک بن جاتی ہے،

(ج ۶، ۱۴۷)

خواہ یہ ارض موات ایسی زمین ہو جو کبھی کسی کی مملوک نہ ہوئی ہو، اور اس کے آباد نہ ہونے کی نوبت نہ آئی ہو جیسا کہ وہی لکھتے ہین، ایسی زمین کہ

مالم یجر علیہ ملك احد ولم یوجد فیہ اثر عمارۃ فھذا یملك بالاحیاء بغیر خلاف بین القائلین بالاحیاء

کسی کی ملک اس مین قائم نہ ہوئی ہو اور اس مین کسی آبادی کی علامت نہ پائی جاتی ہو تو بالاتفاق آباد کرنے کی وجہ سے آدمی اس کا مالک ہو جاتا ہے، اس مین کسی کا اختلاف نہین ہے، جو آباد کرنے کو ملک کا سبب کہتے ہین،

اسی طرح ایسی اراضی،

مایوجد فیہ آثار ملك قدیم

جس مین کسی قدیم جاہلی ملک کی علامتین

جاھلی کآثار الروم ومساکن ثمود ونحوھم فھذا یملك بالاحیاء،

پائی جاتی ہون مثلاً روم کے آثار اور قوم ثمود کے مسکن کا حال ہے، یا جو ایسے مقامات ہون تو آباد کرنے سے ان کا بھی آدمی مالک ہو جاتا ہے،

چونکہ اس قسم کی زمین اسلامی عہد سے قبل ہی سہی لیکن بنی آدم کی مملوکہ چیزون مین ہو چکی تھی، اس لئے شبہہ ہو سکتا تھا کہ دوسرے کی مملوکہ چیز پر قبضہ کرنے یا اوس کو ملک بنانے کا کسی دوسرے کو کیا حق ہے، اس شبہہ کے ازالہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے فرمان مین اس کی بھی تصریح فرما دی ہو کہ

عادی الارض للہ ورسولہ ثم ھو لکم بعد،

عادی اراضی (یعنی اقوام قدیمہ کے کھنڈریا ان کے آباد کئے ہوئے بنجر علاقے) اللہ اور اسکے رسول کی ملک ہین، پھر اس کے بعد اے مسلمانو! یہ تمھاری ملکیت ہے،

یعنی اس قسم کی زمینین جب اُن کے مالک چھوڑ کر لاپتہ ہو چکے ہون اور وہ اسلامی حکومت کی زیر نگرانی آگئین، تو اب وہ اپنے پرانے مالکون کی ملک سے نکل کر اللہ و رسول کی ملک مین داخل ہو گئین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے پھر ان کو عام مسلمانون کے حوالہ فرما دیا، البتہ ارض موات کی ایک قسم اور رہ جاتی ہے، جو اسلامی عہد مین کسی خاص شخص کی ملکیت تھی، لیکن ان کا مالک ان کو غیر آباد کر کے لاپتہ ہو گیا، ایسی زمینون کے متعلق اگرچہ بعض ائمۂ اسلام کی رائے مختلف ہے، مگر امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ کا ان اراضی کے متعلق بھی یہی فتویٰ ہے، کہ

انھا تملك بالاحیاء وھو مذھب ابی حنیفۃ ومالك، (مغنی)

آباد کرنے سے وہ بھی مملوکہ بن جاتی ہین، یہی ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہے،

بہرحال اس قسم کی تمام اراضی جن کا فقہ کی اصطلاح مین "موات" نام ہے، در اصل یہ ملک کے باشندون

کی مشترکہ جائداد ہے، اور ملک کا ہر باشندہ اس کو اپنی انفرادی ملکیت بنا سکتا ہے، جس کی اسلامی قانون کی رو سے دو صورتین ہین،

اقطاع یا جاگیرون کا حکم ایک کو اقطاع کہتے ہین یعنی خود حکومت اس علاقہ کو کسی شخص کے ساتھ بندوبست کر دے، اور یہ امام کے صوابدید پر ہے، کہ جس کو چاہے جتنی زمین کا اقطاع کر دے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے، جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین نقل کیا ہے، کہ

اقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال بن الحارث المزنی مابین البحر والصخر،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو دریا سے پہاڑ تک جاگیر مین دیدیا تھا، (یہ اصطلاح تھی ساحل سمندر سے کسی خاص سلسلۂ کوہ تک کی درمیانی اراضی کیلئے ہندوستان مین جیسے ارگنگ تا سنگ کا لفظ بعض علاقون مین بولتے ہین)

ابو عبید نے اپنی مشہور کتاب کتاب الاموال مین اس قسم کے قطائع (جاگیرات) کا جو بارگاہ رسالت اور سریر خلافت سے مختلف لوگون کو عطا ہوتے رہے ہین، ذکر کیا ہے، مین نے خاص کر بلال بن حارث کی جاگیر کا ذکر قصداً اس لئے کیا تاکہ معلوم ہو کہ بڑے سے بڑا علاقہ بھی حکومت اپنے صوابدید سے جاگیر مین عطا کر سکتی ہے، لیکن حکومت کے صرف اقطاع سے اس علاقہ کا وہ شخص مالک نہیں ہو جاتا ہے جب تک کہ "احیاء" کر کے اس پر قبضہ نہ کرے، علامہ مقدسی لکھتے ہین،

فان اقطعہ الامام شیئًا من الموات لم یملکہ بذلک لکن یصیر احق بہ (مغنی)	اگر "موات" زمین کو امام (حکومت) کسی کی جاگیر مین دیدے تو محض اس سے وہ اس زمین کا مالک نہین ہو جاتا البتہ بہ نسبت دوسرونکے وہ اسکا زیادہ حقدار ہوگا،

اپنے اس دعوی کی انھون نے دلیل بھی پیش کی، کہ "عقیق" مین جو جاگیر انھی بلال کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقطاع کی تھی، چونکہ وہ احیاء پر قادر نہ ہو سکے، حضرت عمرؓ نے اُن سے واپس لے لی، علامہ مقدسی لکھتے ہین :-

لو ملکہ لم یجز استرجاعہ	اگر صرف اقطاع سے بلال مالک ہو جاتے تو حضرت عمرؓ کو اس کی واپسی جائز نہ ہو سکتی تھی۔

اسلامی جاگیرون کا مطلب یہان جاگیر کا یہ مطلب نہین ہے کہ جیسا ہندوستان مین سمجھا جاتا ہے، کہ وہ لاخراج کر دی جاتی ہے، بلکہ موات کی اراضی کے عطا کرنے کے بعد اس پر "عشر" یا "خراج" بھی لگایا جا سکتا ہے، اور اس معاملہ مین مختلف زمینون کا حکم مختلف ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابون مین موجود ہے، خراج کے باب مین صرف امام (بادشاہ وقت) کو اتنا اختیار دیا گیا ہے، کہ ملک و رعایا کے مصالح کی بنا پر مثلاً وقت پر فوجی امداد جاگیر دار سے حاصل کیجائے گی، یا اذین قبیل کوئی اور مصلحت ہو تو جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے،

یکون الامام قد رای الصلاح فی تفویض خراج ارض صاحب الارض فیجوز لہ یسعہ ان یقبلہ	اگر امام اسی مین مصلحت دیکھے کہ زمین کا خراج جاگیر دار کو عطا کر دے تو امام ایسا کر سکتا ہے، اور جاگیر دار کو بھی اجازت ہے کہ وہ اس عطیہ کو قبول کرے؛

لیکن امام کے سوا حکومت کے کسی عہدہ دار کو خواہ اس کا درجہ کتنا ہی بلند کیون نہ ہو خراج کی معافی بلکہ تخفیف تک کا اختیار نہین ہے،

بہرحال یہ ایک ذیلی بات تھی، جاگیرون کے متعلق بعض غلط فہمیون کا ازالہ مقصود تھا ورنہ اس کے تفصیلی مسائل تو بہت زیادہ ہین، جن کے ذکر کا یہان موقع نہین، اصل بات یہ کہی جا رہی تھی

کہ اراضی موات مین انفرادی ملکیت ایک تو اس احیاء (آباد کرنے) سے حاصل ہوتی ہے جو اقطاع کے ذریعہ سے کسی کو ملی ہو، اور عام طور سے غیر آباد زمینون کے بندوبست کرنے کا دنیا مین یہی طریقہ مروج ہے اگرچہ مختلف حکومتون کا طرز عمل بندوبست کے شرائط اور نتائج مین مختلف ہے، لیکن اراضی موات کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ جو اسلام مین ہے، دوسری حکومتون کی رعایا کے لئے شاید وہ عجیب ہو،

ملک کی غیر آباد زمینون کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ

میرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان یعنی

مَنْ اَحْیٰی ارض موات فھی لہ، | موات اراضی کو جو آباد کرے گا، اُسی کی وہ ہو جاتی ہے،

کی بنا پر فقہائے امت کی اکثریت کا یہ فتویٰ ہے، کہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو اس کا حق حاصل ہے کہ غیر آباد زمینون اور علاقون (اراضی موات) سے جتنا حصہ بغیر کسی معاوضہ اور رائلٹی کے چاہے، احیاء کرکے اُسے اپنی ملک اور جاگیر بنالے، صرف امام ابو حنیفہ اس مسئلہ مین متفرد ہین، کہ حکومت سے بھی اجازت احیاء کے لئے ضروری قرار دیتے ہین لیکن عام فقہائے اسلام حکومت کی اجازت کو غیر ضروری سمجھتے ہین حتی کہ امام صاحب کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے مذکورہ بالا نبوی وثیقہ کی بنا پر لکھا ہے،

ان اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جائز الی یوم القیمۃ، | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت قیام قیامت تک نافذ رہے گی،

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فھی لہ (وہ آباد کرنے والے کی ملک ہے) موجود ہے تو اس مین اب کسی دوسرے شخص سے پوچھنے اور اجازت حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہین، البتہ حکومت کو صرف اس کی نگرانی کرنی چاہیے کہ اس سے مفاد عامہ کو کوئی ضرر تو نہین پہونچتا، قاضی ابو یوسف نے

لکھا ہے کہ اس حدیث کی بعض روایتون مین

لیس لعرق ظالم حق (ص ۳۶)

کے الفاظ سے اسی ضرر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی غیر آباد زمین (یعنی موات) مین اگر کوئی درخت نصب کرے، جس سے دوسرے کو نقصان پہونچے، تو پھر اس ظلم کا حق اس کو نہ دیا جائے گا،

عام فقہائے اسلام سے امام صاحب کے اس اختلاف کے متعلق قاضی ابو یوسف سے پوچھا گیا تھا، کہ اس صحیح و صریح "نبوی وثیقہ" کے ہوتے ہوئے حکومت کی اجازت کی قید امام صاحب نے کیون بڑھائی کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کافی نہین ہے، اگرچہ اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے نقل کیا جاتا ہے، کہ آخر بیت المال کے متعلق بھی تو عام قانون یہی ہے کہ

ھو بیت مال المسلمین، | یعنی اس کے مالک مسلمان ہین،

لیکن باوجود اس کے کہ امام بیت المال کا مالک نہین ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ

للامام تعیین مصارفہ و ترتیبہ (مقدسی) | امام کو بیت المال کے رقوم مصارف کی تعیین و ترتیب کا حق ہے،

اسی طرح "زمین" کے متعلق بھی امام کو نظم و ترتیب مین بھی دخل دینا چاہیے، ورنہ رعایا مین باہمی کشمکش کا اندیشہ ہے، حکومت کی توثیق کے بعد جھگڑے کا خطرہ نہ رہے گا، لیکن لوگون نے امام صاحب کی اس توجیہ کو تسلیم نہین کیا ہے، پوچھا گیا ہے کہ کیا ہوا کے ہر پرندے پر قبضہ کرنے کے لئے بھی حکومت کی اجازت درکار ہے، آخر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی موات کو تمام مسلمانون کے لئے مباح قرار دیا سند دیدی، کہ جو اس کو آباد کرے گا، اسی کی وہ زمین ہو جائے گی، اس کے بعد حکومت سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے،

بہرحال یہان یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موات کی اراضی کو احیار کے ذریعہ سے اپنی مملوکہ جاگیر بنا لینے کا اختیار صرف مسلمانون ہی کو نہین بلکہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو ہے، مسلم ہو یا غیر مسلم، اور یہ میرا صرف قیاسی نتیجہ نہین ہے، بلکہ فقہ کی کتابون مین ہمیشہ اس کی تصریح کر دیجاتی ہے، مقدسی لکھتے ہین،

لا فرق بین المسلم والذمی	موات زمین کو آباد کرکے اپنی ملک بنا لینے
فی الاحیاء وبہ قال ابوحنیفۃ	مین مسلم اور ذمی (غیر مسلم رعایا) مین کوئی
	فرق نہین ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی
	مذہب ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ میدانی علاقہ ہو یا کوہستانی، جزیرہ ہو یا خشکی کا خطہ، جنگل ہو یا بیابان، ملک کا ہر باشندہ جتنی زمین چاہے، موات اراضی مین سے آباد کرکے اس کو اپنی مملوکہ جاگیر مفت بنا سکتا ہے،

قاضی ابویوسف کے الفاظ یہ ہین:-

کل ما عالج فی اجمۃ او من بحر	اجمہ (نیستان) ہو یا تری کا علاقہ ہو، یا
او من بر بعد ان لا یکون فیہ	خشکی کا، اگر کسی خاص انسان کی ملک وہ
ملک لانسان فاستخرجہ رجل	نہین ہے، اور محنت مشقت کرکے جس نے
وعمرہ فھو لہ بمنزلۃ الموات	اوس کو نکالا اور آباد کیا، تو اس کا وہی مالک
	ہو جائے گا، جیسے موات اراضی کا حال ہے،

مثلاً دجلہ و فرات جیسے دریاؤن مین عموماً بڑی بڑی زمینین باہر نکل آتی ہین، اگر ان کے آباد کرنے مین کسی کا ضرر نہ ہو، تو ان کا حکم بھی مثل ارض الموات ہے،

یعنی اس جزیرہ کا آباد کرنے والا قانوناً مالک ہو جائے گا، یہان یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احیا یا آباد کرنے کا جو لفظ برابر استعمال ہو رہا ہے، اوس کا کیا مطلب ہے، محض کھیتی کرنا یا باغ لگانا ہی مقصد نہین ہے، بلکہ جیسا کہ علامہ مقدسی نے لکھا ہے:-

احیاء کل واحدۃ من ذالک	ان مین ہر چیز کی احیار کا مطلب یہ ہے، کہ
بتھیئتھا للانتفاع الذی ارید	جو نفع اس سے مقصود ہو، اوس کے لئے
بہ،	اس کو تیار کیا جائے،

یعنی "آبادی" صرف زراعت یا باغبانی پر منحصر نہین ہے، مکان بنا کر یا دوابگاہ (مویشی رکھنے کی جگہ) یا لکڑی وغیرہ جیسی چیزون کے رکھنے کی جگہ بنانی، یہ سب احیار مین داخل ہی، علامہ مقدسی نے بطور مثال کے چند چیزون کا ذکر کیا ہے، مقصد کے سمجھانے کے لئے ہم بجنسہ نقل کرتے ہین،

فاما الدار فبان یبنی حیطانھا	گھر کے احیار کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوارین
مما جرت بہ العادۃ وتسقیفھا	کھڑی کی جائین، یعنی جس طرح اس ملک مین
لانھا لا تکون سکنی الا بذالک	دیوارون کے بنانے کا طریقہ ہو، ویسی دیوار
واما الحظیرۃ فاحیاءھا بحائط	کھڑی کر دی گئی ہو، اور اس کی چھت پاٹ
جرت بہ عادۃ مثلھا لیس من	دی گئی ہو، کیونکہ رہنے کے قابل بغیر اس
شرطھا التسقیف لان العادۃ	کے نہین ہو سکتا، اسی طرح حظیرہ (احاطہ)
ذلک من غیر تسقیف سواء	کے احیار کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کی دیوار
اراد حظیرۃ المواشی او للخشب	گھیر کر احاطہ بندی کا طریقہ اس ملک مین
	جاری ہو یعنی چھت پاٹنے کی ضرورت اس
	کی احیار مین نہین ہے، کیونکہ عام طریقہ یہی
	ہے، کہ ان احاطون کے لئے چھت نہین پاٹتے،
	خواہ مویشی کے لئے احاطہ بنایا جائے، یا لکڑی

الغرض آباد کرنے کی جو غرض ہے، اس کا سامان مہیا کرنا ہی اس کا احیاء ہے، مثلاً کھیتی ہے تو اس کا جو تنا سیرابی کا انتظام کرنا ہی اوس کا احیاء ہے، مقدسی لکھتے ہین کہ زراعت کی احیاء کی صورت یہ ہے کہ

ان یسوق الیھا ماء من نھر او بیر وان کانت مما لایمکن زرعھا لکثرۃ احجارھا کارض الحجاز فبان یقلع احجارھا وینقیھا حتی یصلح للزرع وان کانت غیاضا او اشجارا کارض الشعری فبان یقلع اشجارھا ویزیل عروقھا اللتی تمنع الزرع،

آدمی اس کی طرف کسی نہر سے یا کنوین سے پانی لیجائین، اور اگر زمین ایسی ہو جس مین کھیتی نہ ہوسکتی ہو، مثلاً کثرت سے اس مین پتھر ہون، جیسا کہ حجاز کی زمینون کا حال ہے، تو اوس کے احیاء کے معنی یہ ہون گے، کہ پتھرون کو زمین سے باہر نکالا جائے، اور زمین صاف کیجائے، حتی کہ کھیتی کے قابل ہو جائے، اور اگر بنجر (موات) زمین مین جنگل جھاڑ ہو درخت ہون، جیسا کہ الشعری کی زمین کا حال ہے تو اوس کی احیاء کے معنی یہ ہین، کہ درخت اکھاڑے جائین، اور ان جڑون کو کھود کر نکال دیا جائے،

بہر حال ہر چیز اور ہر ضرورت کا احیاء خود اس ضرورت کے حسب حال ہوتا ہے، اور جیسا کہ علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس باب مین اعتبار زیادہ عرف عام اور رواج کا ہے، آباد کرنے کا اطلاق جس کاروبار پر کیا جاتا ہو وہی اس کا احیاء ہے،

معاش کی اسلام مین تملیکی قوت

اس کے بعد خواہ اقطاعی (حکومت کی بندوبست کی ہوئی) جاگیر ہو، یا خود کسی نے ارض موات پر قبضہ کرکے احیاء کر لیا ہو، یہ آباد کرنے والی کی انفرادی ملک بن جاتی ہے، اقطاعی جاگیرات کا حکم احیاء کے بعد جو ہو جاتا ہے، قاضی ابو یوسف لکھتے ہین :-

فلا یحل لمن یاتی من بعدہ من الخلفاء ان یرد ذالک ولا یخرجہ من یدی من ھو فی یدہ وارثا او مشتریا،

(ص ۳۴)

بعد کو جو خلفاء ہون ان کے لئے جائز نہ ہوگا کہ کسی امام کی عطاء کی ہوئی جاگیر کو، اس شخص سے واپس لین جس کے قبضہ مین وہ جاگیر خواہ بطور وراثت کے ہو یا خریداری کے ذریعہ سے اس تک پہنچی ہو،

جس سے معلوم ہوا کہ جس نے آباد کی ہو، خود اس کے یا اس آباد کرنے والے سے کسی کو وراثۃً ملی ہو یا آباد کرنے والے سے کسی نے خریدی ہو کسی سے بھی حکومت اس کی یہ مملوکہ زمین چھین نہیں سکتی، انھون نے اسکی تصریح کردی ہے کہ

فاما ما اخذ الولاۃ من ید واحد ارضا واقطعھا آخر فھذا بمنزلۃ الغاصب غصب واحد او اعطی آخر،

(کتاب الخراج ۳۴)

اور حکومت کے ولاۃ (صوبہ دارون گورنرون) وغیرہ کا جو یہ طریقہ ہے، کہ جاگیر کو ایک شخص کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو جاگیر مین دیدیتے ہین، تو اس کی صورت وہی ہے جو غاصب اور زبردستی چھیننے والون کی ہوتی ہے یعنی ایک شخص سے اوس کی مملوکہ چیز زبردستی چھین کر دوسرے کو دیدے،

دوسری جگہ مزید صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہین،

فاما من اخذ من واحد واقطع آخر فھذا بمنزلۃ مال غصبہ واحد من واحد واعطی واحدا (ص ۳۴)

اور وہ جو ایک شخص سے جاگیر چھین کر دوسری کی جاگیر مین دی جاتی ہے، تو اوس کی حیثیت اس مال کی ہے، جو ایک شخص سے چھین کر

اسی طرح اور اُمنی موات کو احیاء کرکے جس نے اپنی مملوکہ جاگیر بنا لی ہو، اس کے متعلق بھی لکھتے ہیں،

ولیس للامام ان یخرج شیئاً من ید احد، (ص ۳۵)

امام (حکومت) کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ کسی کے قبضہ اور ملک سے زمین کو چھین لے،

اسی دفعہ کی تعبیر دوسرے الفاظ میں دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں،

فلا یحل للامام ولا یسعہ ان یقطع من الناس حق مسلم ولا معاهد ولا یخرج من یدہ من ذالک شیئاً،

امام حکومت کے لئے جائز نہیں ہے، اور نہ قانوناً اس کے لئے اس کی گنجایش ہے، کہ کسی مسلمان یا جس سے اسلامی حکومت نے معاہدہ کیا ہو، کہ اس کے حق کو اس سے منقطع کرے، اور نہ یہ کر سکتا ہے، کہ اس کے قبضہ سے ۴

دوامی بندوبست | یعنی یہ حکم حکومت کی مسلم غیر مسلم ہر قوم کی رعایا کے لئے عام ہے، گویا ان زمینوں کی حیثیت بندوبست دوام کی ہو جاتی ہے، اور جاگیردار کو اختیار ہے کہ خواہ خود اس کو آباد کرے یا کسی اور ذریعہ سے آباد کرائے، قاضی صاحب لکھتے ہیں،

فمن احیاها وهی کذالک فهی له یزرعها ویزارعها ویواجرها ویکری منها الانهار ویعمرها بما فیه مصلحتها، (ص ۳۷)

جس نے اس زمین کو آباد کیا ہو، اور وہ اس حال میں ہو تو اس زمین کا مالک اس کا آباد کرنے والا ہو گا، اسے حق ہے کہ اس میں خود کاشت کرے یا کسی سے کاشت کرائے، یا کسی کو کرایہ پر دے، اسے اس کا بھی حق ہے کہ اپنی زمین میں نہر کھودے، اور اس کا بھی کہ جس قسم کی عمارت اور آبادی جس میں مصلحت ہو

البتہ اس پر حکومت کی جو مالگذاری عائد کی گئی ہو، صرف اس کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے،

فان کانت فی ارض العشر ادی عنها العشر، وان کانت فی ارض الخراج ادی عنها الخراج،

اگر اوس کی یہ زمین عشر کی زمین ہو، تو اس سے عشر ادا کرے گا، اور اگر خراجی زمین ہو تو اوس سے خراج ادا کرے گا،

تحجیر کا مطلب اور حکم | عشر و خراج کی عدم ادائگی کی صورت میں حکومت اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے، اس کی تفصیل مناسب موقع پر آگے آتی ہے، یہان یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ کسی غیر آباد زمین کے حدود مین صرف پتھر نصب کرکے یا کانٹون وغیرہ سے گھیر کر اس کو اپنی مملوکہ زمین قرار دینا صحیح نہین ہے، فقہا مین اس عمل کا نام تحجیر ہے، چونکہ یہ زمین کا احیاء نہین ہے، اس لئے ملکیت تو پیدا نہ ہوگی، البتہ بہ نسبت دوسرون کے اس کے حق کو گونہ ترجیح ہوگی، مگر وہ بھی ایک خاص مدت تک جس کی تفصیل فقہ کی کتابون مین موجود ہے، مندرجۂ بالا بیانات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اسلام نے اپنی حکومت کی رعایا کی معاشی سہولتون کے کتنے ذرائع پیدا کر دیئے ہین، آج جب کہ دنیا مین کوئی ایک انچ زمین پر بھی بلا معاوضہ مفت قبضہ نہیں کر سکتا، اس سے اس وقت کا اندازہ لگانا چاہئے، اور اس لئے مین نے اس سلسلہ مین تھوڑی تفصیل سے کام لیا، کیونکہ اسلامی حکومت کا نظام جب سے ناپید ہو گیا ہے، لوگ ان واقعات کو بھول گئے ہین، ورنہ سچ یہ ہے کہ ہندوستان تک مین حکومت مغلیہ کے آخری دور تک زیادہ تر اس قسم کی معاشی سہولتین آباد کارون کو حاصل تھین،

بہرحال یہ احکام تو غیر مملوکہ امور کے متعلق تھے، اب بحث ان چیزون پر کرنی چاہئے جو کسی کی ملک مین داخل ہین، مین نے کہا تھا کہ اس کی بھی دو صورتین ہین، مالک کی مرضی کے بغیر ان پر قبضہ کرنے کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہین، پھر ایسی مملوکہ چیزین جن پر مالک کی مرضی کے بغیر بھی قبضہ کرکے ان کو اپنا مملوک بنایا جا سکتا ہے، اس کی بھی اسلام مین دو شکلین ہین،

مالک کی مرضی کے بغیر کسی چیز پر قبضہ کرنا

(۱) اسلامی حکومت کی رعایا کا اگر مال ہو تو مالک کی مرضی کے بغیر صرف دو شکلون مین ان پر قبضہ کرنے کی اجازت ہے، ایک کی فقہی تعبیر لقطہ ہے،

لقطہ کا مطلب

یعنی گرا پڑا ہوا مال اگر کسی کو مل جائے، بعض صورتون مین یہ جائز ہے، کہ آدمی اوس پر قبضہ کرے، اور خاص شروط و حالات مین اس کو اپنے تصرف میں بھی لا سکتا ہے، لیکن جب کبھی اصل مالک کا پتہ مل جائے اور وہ اوس کا مطالبہ کرے تو معاوضہ ادا کرنا پڑے گا، چونکہ اس باب کا تعلق معاشیات سے نہین ہے، کہ یہ آمدنی کی نہایت نادر شکل ہے، اس لئے اس کے تفصیلات کی یہان ضرورت نہین،

قانون شفعہ

دوسری شکل شفعہ کی ہے، یعنی مالکانہ شرکت یا پڑوس کی وجہ سے اسلام نے ملک کے ہر باشندے کو یہ قانونی حق دیا ہے، کہ آدمی دوسرے کی خریدی ہوئی چیز کو زبردستی دام ادا کرکے اپنی ملک بنالے، مثلاً کسی مکان یا زمین مین دو آدمی یعنی زید و عمرو شریک ہین، اگر عمرو کے حصہ کو خالد خریدے تو زید کا یہ قانونی حق ہے، کہ جس دام مین خالد نے اس کے شریک کے حصہ کو خریدا ہے، ادا کرکے خالد کی رضامندی ہو یا نہ ہو خرید لے، قانون اس جبری خریداری کو نافذ کرائے گا، معلوم نہین اس باب مین دنیا کے اور قوانین کا کیا حال ہے، لیکن اس قانون کی وجہ سے اسلامی حکومت کی رعایا کو دکانون، کھیتون، باغون وغیرہ کے متعلق کتنی آسانیان بہم پہنچتی ہین، اور پہنچ سکتی ہین، اس کا اندازہ تجربہ سے ہو سکتا ہے، خصوصاً حنفی مذہب مین اس قانون کو ملکی شرکت سے آگے بڑھا کر مرافق (مثلاً راستہ ذرائع آبپاشی وغیرہ) کی شرکت اور جوار (پڑوس) کی شرکت تک وسیع کر دیا گیا ہے، فقہ کا یہ ایک طویل باب ہے، میرے لئے اس سلسلہ مین صرف اتنا بیان ہی کافی ہو سکتا ہے،

غیر اسلامی حکومتون کی رعایا کیساتھ مسلمانونکے معاشی تعلقات

(۲) غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کے مملوکات پر مالکون کی رضامندی کے بغیر قبضہ کرکے مسلمان ان کے قانونی مالک بن سکتے ہین، اسی طرح غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کے بھی اس حق کو اسلام نے قانونی حق قرار دیا ہے، یعنی اسلامی حکومت کے باشندون

کے اموال پر العیاذ باللہ[1] اگر ان کا قبضہ ہو جائے تو مالک کی رضامندی کے بغیر وہ بھی ان کے مالک ہو جاتے ہین، دراصل اس دفعہ کا تعلق قانون جنگ سے ہے، اس سلسلہ مین غنیمت، فئی، متعلقات فئی وغیرہ کی آمدنیان ہین علاوہ ان عطایا و وظائف وغیرہ کے جو اسلامی فوجون کو حکومت سے ملتے تھے، چونکہ لڑنے والے ہر سپاہی کو غنیمت سے بھی حصہ ملتا تھا، اس لئے مسلمانون مین آمدنی پیدا کرنے کا یہ بھی ایک بڑا آسان، اور قیمتی ذریعہ تھا، اور ان کی معاشی فراغبالیون پر اس قانون کا کافی اثر مرتب ہوتا تھا، چونکہ اس آمدنی کا تعلق معمولی کاروبار سے نہین ہے، بلکہ اوس کی اکثر شکلون کا تعلق حکومت سے ہے، اس لئے اس باب کی بھی تفصیل کی یہان حاجت نہین، البتہ اسی بین الاقوامی قانون کی بنا پر کہ شریعت مین چونکہ یہ طے کر دیا گیا ہے، کہ اسلامی حکومت کی رعایا کا مال غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کے لئے مباح اور جائز ہے، یعنی قبضہ کرنے کے بعد ان کی ملک مین داخل ہو جاتا ہے، اور ان سے اگر کوئی مسلمان اس مال کو خریدے، تو یہ قانونی مالک سے مال کا خریدنا ہوگا، اسی لئے اس کا لینا جائز ہوگا،

غنیمت وفئی کی حلت کی وجہ

پھر جس طرح مسلمانون کا مال غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کی ملکیت مین صرف قبضہ سے داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح اسلامی حکومتون کے باشندون کے لئے غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کا بھی مال مباح و جائز ہے، یعنی قبضہ کے بعد مسلمان اس کے قانونی مالک ہو جاتے ہین، غنیمت (یعنی غیر اسلامی حکومت کے لوگون سے جو مال بزور حاصل کیا جائے) اور فئی (جو مال غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندون کا بغیر کسی جنگ و جدال کے مسلمانون کے قبضہ مین آجائے) ان دونون قسم کے اموال کے قانونی مالک مسلمان اسی بنا پر ہو جاتے ہین، کہ ان لوگون کے اموال کو اسلام نے مسلمانون کے لئے مباح

---

[1] العیاذ باللہ کا لفظ مین نے اپنے فقہاء کی تقلید مین لکھا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانون پر ایک وہ وقت بھی گذرا ہے، جب غیر اسلامی اقوام کے تسلط کو اپنے اوپر ناقابل برداشت تصور کرتے تھے، پھر آسمان نے رُخ بدلا، اور جس کا سوچنا بھی ناگوار تھا، اسے دیکھنا پڑا اور کیسا دیکھنا؟

اور جائز قرار دیا ہے،

غیر اسلامی ممالک میں سود، قمار وغیرہ کا حکم

اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال یہاں پیدا ہو گیا، یعنی غیر اسلامی حکومت کے کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے، مثلاً ربوا (سود) یا قمار یا ازین قبیل کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آجائے، تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں،

چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے، اور مباح و جائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے، مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کرکے قبضہ کر لینا اس پرندے کے مالک ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک ہو جاتا ہے، اور یہی ان کا وہ مشہور نقطۂ نظر ہے، جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں میں

لا ربوا بین الحربی والمسلم — الحربی (غیر اسلامی حکومت کا باشندہ) اور المسلم (اسلامی حکومت کا باشندہ) میں ربوا (سود) نہیں ہے،

کا ذکر پایا جاتا ہے، گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے، عوام چونکہ اس کے اصل منشار سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے، کہ ربوا (سود) جب اسلام میں حرام ہے، تو ہر جگہ ہر شخص سے لینا حرام ہو جانا چاہئے، حربی یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایک مباح مال کو قبضہ کرکے اُسے اپنی ملک بنانا ہے، اس قانون سے پہلے ایک اور قانون کا ذکر کتابوں میں عموماً کیا جاتا ہے کہ

لا ربوا بین العبد والمولی — یعنی درمیان غلام اور اس کے آقا کے ربوا (سود) کا معاملہ نہیں ہے،

یعنی شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر ربوا کا معاملہ کیا جائے گا، تو وہ ربوا نہ ہوگا، یہ بھی امام ابو حنیفہ کا

مذہب ہے، ظاہر ہے کہ اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے، کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے، بھلا اس کا حق ایک مجتہد کو کیا ہے، بلکہ بات وہی ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا ہے پس آقا نے غلام سے جو کچھ لیا وہ اس کا مال نہیں اپنا مال لیا، اور اپنا مال کسی پر کیوں حرام ہو سکتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی اپنی آمدنی کی مختلف مدون کو مختلف مصارف کے لئے معین کر دیتا ہے، لیکن بسا اوقات کسی ایک ضرورت کے لئے دوسری مد کی آمدنی سے قرض کے نام سے لے لیتا ہے، فرض کیجئے کہ اگر اس قرض میں وہ کچھ سود بھی لگا کر اس مد میں جمع کر دیا کرے جس سے اوس نے قرض لیا تھا، تو کیا واقعی لفظ سود سے وہ سود ہو جائے گا، اس نے تو اپنے ہی روپیہ کو اپنے مال میں ملایا ہے، خواہ کسی نام سے ملائے، قانوناً شرعاً کوئی اس کو سود نہیں کہہ سکتا، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں اس وقت اسلامی حکومت قائم نہیں ہے، یہاں کے

ہندوستان میں مسئلہ ربوا (سود) کا حکم

غیر مسلم باشندوں سے بعض حنفی علماء[1] سودی کاروبار کے جواز کا فتوی دیتے ہیں، بعض غیر قانونی دماغوں کو یہ شبہ ہوتا ہے، کہ اگر اس جواز کی بنا اس پر ہے، کہ غیر اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا مال مسلمانوں کے لئے مباح ہے، تو پھر اس ملک میں فریب چوری ڈاکہ وغیرہ جو شرعاً لین دین کے ناجائز ذرائع ہیں، کیا ان ذرائع سے بھی مسلمانوں کو غیر مسلموں کا مال لینا جائز ہوگا؟ حالانکہ جہاں یہ مسئلہ فقہ حنفی میں لکھا گیا ہے، وہیں دوسرا فقرہ "من غیر غدر" (یعنی خلاف معاہدہ) لین دین نہ ہو، کی قید بھی بڑھی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں جو حکومت قائم ہے، اس کے قانون میں فریب، چوری، ڈاکہ وغیرہ کے ذریعہ سے لین دین کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اور اس ملک میں جو

---

[1] جن میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، شاہ صاحب کے فتاوی عزیزیہ میں یہ فتویٰ ایک سے زیادہ مقام میں موجود ہے، یہاں یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ شاہ صاحب نے یہ فتوے اس وقت صادر کئے تھے، جب لال قلعہ میں تیموری سلاطین نام نہاد شاہ ہند کے نام سے موجود تھے، لیکن عملاً چونکہ ان کی حکومت ختم ہو چکی تھی، اس لئے شاہ صاحب نے حنفی فقہ کے اس معاشی مسئلہ کا عام اعلان سرزمین ہند میں کر دیا تھا،

مسلمان آباد ہین، وہ اس معاہدہ کے ساتھ ہی آباد ہین، کہ حکومت وقت کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرینگے،
اب اگر چوری ڈاکہ یا فریب وغیرہ ذرائع سے ملک کے کسی باشندے کا روپیہ کوئی لے گا، تو غدر (عہد شکنی) کے
اسلامی جرم کا وہ مرتکب ہی، بخلاف ربوا (سود) کے کہ موجودہ حکومت نے اس ذریعہ سے لین دین کو
ناجائز نہین قرار دیا ہے، پس یہ حکومت وقت کے ساتھ غدر (عہد شکنی) نہین ہے، اور بغیر کسی عہد شکنی
کے مسلمان کے قبضہ مین جب اس ملک کے غیر مسلم باشندہ کا روپیہ آئے تو معاً قبضہ کے ساتھ ہی وہ اس
کا مالک ہوجاتا ہے، امام ابو حنیفہ کا یہ اتنا مستحکم قانونی نقطۂ نظر ہے کہ اس قسم کے اموال کی حرمت کی کوئی دلیل
شرعی پیش کرنا مشکل ہے، میرا مطلب یہ ہو کہ ہندوستان کی غیر مسلم رعایا کے اموال کے عدم اباحت کی دلیل پیش کرنا
آسان نہین ہے، چہ جائیکہ ان کی حرمت کا دعویٰ؟ اور یہی اس معاشی مسئلہ کی بنیاد ہے، افسوس کہ علمائے اسلام
نے اسلام کے اس قیمتی نقطۂ نظر پر ٹھنڈے دل سے غور نہین کیا، ورنہ ادھر سو ڈیڑھ سو سال مین مسلمان جن
معاشی دقتون مین مبتلا ہوگئے، غالباً صورتِ حال یہ نہ ہوتی، ملک کے باشندون کا ایک طبقہ صرف لیتا رہا، اور
دوسرا طبقہ صرف دیتا رہا، اس کی وجہ سے جو معاشی عدم توازن اس ملک مین پیدا ہوگیا ہے، اس کی ذمہ داری
اسلام پر نہین، بلکہ زیادہ تر علماء پر اس لئے ہو کہ ان کے معاشی نظام میں اس صورتِ حال کا علاج موجود تھا،
لیکن انھون نے ایک جزو پر عمل کیا، اور دوسرے کو ترک کر دیا، اور اب تو شاید مرض لاعلاج ہوچکا ہی،

اس مسئلہ کا ذکر چاہئے تو یہ تھا کہ مین سود کے باب مین کرتا، جیسا کہ عموماً فقہ کی کتابون میں کیا گیا ہی،
لیکن سچی بات یہ ہو کہ اس کا تعلق ربوا کے باب سے نہین، ہی، بلکہ بین الاقوامی معاشی تعلقات کا یہ ایک قدرتی
نتیجہ ہے، اسی لئے بات بآسانی سمجھ مین آجاتی ہے، بخلاف اس باب کے جہان خود مسلمانون کے باہمی مالی و معاشی
معاملات سے بحث کیجاتی ہی، غیر موزون مقام پر درج ہونے کی وجہ سے امام صاحب کا صحیح نقطۂ نظر لوگون کے

لہ اسی لئے ان لوگون سے جو اس مسئلہ مین امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا انکار کرنا چاہتے ہین، میرا مطالبہ ہو کہ قرآن
و حدیث، اجماع، قیاس الغرض کسی شرعی دلیل سے حربی کے اموال کے عدم اباحت کا ثبوت پیش کر سکتے ہون تو پیش کرین

سامنے نہین آتا، بہر کیف مذکورۂ بالا چند استثنائی صورتون کے سوا باہمی لین دین کو قرآن نے

عن تراض منکم — باہمی رضامندی سے لین دین ہو،

پر مبنی کیا ہے یعنی کوئی کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر اپنی ملک نہین بنا سکتا، اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر
فقہائے اسلام نے تمام معاشی ابواب کے قوانین کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے کہ لین دین مین
باہمی "مراضاۃ" کی شرط تقریباً تمام متمدن اقوام کے قوانین مین مسلّم ہے، چوری، ڈاکہ، فریب، دھوکا، غصب
وغیرہ کو جرم اسی بنا پر قرار دیا گیا ہے، کہ ان تمام شکلون میں مالک کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہی،
لیکن اسلام نے اس عام قانون کے سوا "مالی معاملات" اور لین دین کے متعلق چند اور امور کا اضافہ
بھی کیا ہے، جن مین پہلی اصل تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن مین

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، — باطل طریقہ سے باہم ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو۔

کے الفاظ مین کیا گیا ہے، اور دوسری اصل قرآن ہی مین

لا تظلمون ولا تظلمون — نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم کیا جائے،

کے دو مختصر لفظون مین مذکور ہی، ہم اس وقت ان ہی دو اصول اور ان کے نتائج پر بحث کرنا چاہتے ہین کہ
"اسلامی معاشیات" کی تصحیح و ارتقا مین ان دو قاعدون کو میرے خیال مین بہت زیادہ دخل ہی،

اکل بالباطل کا مطلب

پہلی بات یعنی باہم ایک دوسرے کا مال بالباطل نہ کھایا جائے، پہلے اس کے
مفہوم کو سمجھ لینا چاہئے، مثال سے اس کو یون ذہن نشین کیا جا سکتا ہے، مثلاً ایک شخص آپ کا کوئی کام
کرکے یا آپ کو اپنی کوئی چیز دے کر یا اپنی چیز سے آپ کو نفع اٹھانے کا موقع دے کر اگر آپ سے آپ کا مال
لیتا ہے، تو ظاہر ہے کہ آپ پر اپنا ایک حق قائم کرنے کے بعد اس کے معاوضہ مین آپ کا مال لے رہا ہے، لیکن
اس کے مقابلہ مین کوئی حق قائم کئے بغیر اگر آپ کا مال لینا چاہتا ہے، تو یہی اکل بالباطل ہے یعنی بغیر کسی حق کے

آپ کا مال لے رہا ہے یہ تو الفاظ کا مطلب ہوا، اب ظاہر ہے کہ دنیا مین کاروبار کی ساری سرگرمیان اسی پر مبنی ہین کہ ہر شخص ایک دوسرے کی ضرورت کو پوری کر رہا ہے، اگر اسی شکل کو یک طرفہ کر دیا جائے یعنی دینے والون کو لینے والون سے کچھ نہ ملے، تو نہ زراعت چل سکتی ہے، نہ تجارت، نہ حرفت، نہ صنعت جب معاوضہ ادا کئے بغیر لوگون کو زندگی کی ضروریات ملنے لگین گی تو پھر خواہ مخواہ معاوضہ کے مہیا کرنے کی فکر مین کوئی کیون مشغول ہوگا، نتیجہ یہ ہوگا، کہ ملک کے باشندون کی توانائیون کا ایک بڑا حصہ دنیا مین آآکر اپنی قیمت حاصل کئے بغیر قبر مین دفن ہوتا چلا جائے گا، نیز ان کے دل و دماغ اور عملی جد و جہد سے ملک کو اپنے معاشی ارتقار مین جو مدد مل سکتی تھی، اس سے وہ محروم ہو جائے گا،

گداگری کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر

یہی وہ بنیاد ہے کہ گو دنیا کے اکثر حصون مین گداگرون اور سائلون کو صرف یہی نہین کہ مجرم نہین قرار دیا جاتا تھا، بلکہ بعض علاقون مثلاً ہندوستان مین عظمت و احترام کی آخری بلندیون پر یہی لوگ قابض تھے، اور اب تک ہین، جن کا گذارہ بھکشا اور دان پُن پر ہے، سمجھا جاتا ہے کہ یہ بڑی نیکی اور پُن کی بات ہے، لیکن معاشی نقطۂ نظر سے یہ کتنا بڑا خسارہ ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اسلام نے صرف یہی نہیں کہ کھاتے پیتون کے لئے سوال کو جرم قرار دیا ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر کہ

من سال الناس عن ظهر غنى فانما	باوجود غنی ہونے کے جو لوگون سے بھیک مانگتا
يستكثر من جمر جهنم (صحاح)	ہو وہ جہنم کے انگارے جمع کر رہا ہے،

یعنی باوجود غنا و استطاعت کے جو بھیک مانگتا ہے، وہ جہنم کے انگارون کو اکٹھا کر رہا ہے، اور غنا سے بھی مراد یہ نہین ہے کہ کافی دولت و ثروت رکھتا ہو، بلکہ اسی حدیث مین ہے کہ پوچھنے والے نے دریافت کیا

یا رسول اللہ ما ظهر غنى	غنی کا یا رسول اللہ کیا مطلب ہی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کے جواب مین جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانون کے لئے باعث عبرت ہے، ارشاد ہوا،

ان يعلم ان عند اهله ما يغديهم	جو یہ جانتا ہے کہ اس کے گھر مین اتنا سرمایہ
وما يعشيهم	ہو کہ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی غذا مہیا ہو سکتی ہو،

خواہ وہ کسی شکل مین مہیا ہو سکتی ہو مثلاً جو یا جوار ہی، باجرہ کی روٹی ہی کیون نہ ہو بہر حال اتنے معمولی سرمایہ رکھنے والے کے لئے بھی اسلام نے سوال کو قطعاً حرام کر دیا ہے، اور اگر کسی کے پاس مالی سرمایہ نہ ہو لیکن ہاتھ پاؤن کا سرمایہ اور اتنی قوت رکھتا ہو کہ کما کر کھا سکے، اس کے متعلق بھی ارشاد ہے

لا تحل الصدقة لغنى ولا لذى	صدقہ حلال نہین ہے صاحب غنا کے لئے،
مرة سوى،	نہ مضبوط توانا کے لئے،
لا حق فيها لغنى ولا لقوى	صدقہ مین حق نہ کسی غنی کا ہے، اور نہ کمانے والے
مكتسب	توانا آدمی کے لئے اس مین (صدقہ مین) حصہ ہے

بہر حال بجز چند مخصوص صورتون کے جن کی فقہا نے تشریح کر دی ہے، ملک کے ہر باشندے پر جس مین کسی قسم کی بھی مالی یا بدنی صلاحیت ہو، عموماً اسلام نے سوال کو حرام کر دیا ہے، اور اس سے یہی غرض ہے کہ اس قسم کی تمام قوتین ملک کے معاشی ارتقار مین اپنی اپنی وسعت کی حد تک ہاتھ بٹائین، اس نا مین مسلمانون کو کون کہہ سکتا ہے،

تندرست و توانا آدمی کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے

ان کو شاید معلوم نہین کہ اسلام مین لینے والون ہی پر عموماً بھیک حرام نہین ہے، بلکہ فقہار کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ مذکورۂ بالا صفات یعنی کم از کم مالی یا بدنی صلاحیت رکھنے والون کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، علامہ ابن نجیم حنفی نے الاشباہ و النظائر مین مذکورۂ بالا صورتون کے متعلق لکھا ہے،

ان السائل والمعطى آثمان،	بھیک مانگنے والے اور بھیک دینے والے
	دونون مجرم ہین،

سائل اور گداگر کے مجرم ہونے کی وجہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن دینے والون کو مجرم کیون قرار دیا جاتا ہے؟ اسکی وجہ اونھون نے لکھی ہے،

فلکونه معینًا علی الحرام، اس نے حرام مین مجرم کی مدد کی،

اگرچہ بعض علماء کو اوس سے اختلاف ہے، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ

لو علم المعطی ان السائل	اگر دینے والا یہ جانتا ہو کہ سوال کرنے والا
لا یتخذ ہ کسبًا فلا اثم علیه	اس کو اپنا پیشہ نہ بنائے گا، تو ایسے دینے والے
ولو علم انه یتخذ ہ کسبًا	کو گناہ نہ ہوگا، اور اگر یہ جانتا ہو، کہ
ویتعاد السوال فھو آثم[1]	وہ بھیک کو اپنا پیشہ بنائے گا، تو دینے والا
(العرف الشذی ص ۲۹۱)	بھی گنہگار ہوگا،

(باقی)

[1] گداگری کے متعلقہ مسائل کی تھوڑی اور تفصیل آیندہ بھی اپنے مقام پر آنے والی ہے، "فلینتظر"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کا

تیسرا اڈیشن

بچون اور عام مسلمانون کے پڑھنے کے لئے آسان زبان مین سیرت کی یہ مشہور و معروف کتاب سہ بارہ چھپ کر تیار ہے، یہ دکن، پنجاب، یوپی اور بہار کے مختلف اسلامی مدرسون اور مکتبون مین داخل نصاب ہے، اور ہندی، گجراتی اور بنگالی وغیرہ مین اس کا ترجمہ ہو چکا ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، اوسکی زبان بہت آسان اور عام فہم ہے،

ضخامت ۱۶۸ صفحے قیمت ۸ اَ

منیجر

موفق الدین عبد اللطیف بغدادی

از

مولانا عبد السلام ندوی

کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کی ایک روایت کا ماخذ عبد اللطیف بغدادی کی ایک تاریخی کتاب کتاب الافادہ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر، بھی ہے، اور اس لحاظ سے اس مسئلہ کی تحقیق مین ان کا نام ردًّا و قبولًا بار بار آیا ہے، لیکن بہت کم لوگ ہین، جو ان کے مفصل حالات سے واقف ہین، حالانکہ ایک اہم اور مختلف فیہ واقعہ کے راوی ہونے کی حیثیت سے ان کے حالات خاص طور پر دلچسپ ہو سکتے تھے، لیکن اس خاص واقعہ کو چھوڑ کر بھی ان کے حالات دوسری مختلف حیثیتون سے بھی دلچسپ ہین،

فلسفہ، اسلام کی تاریخ مین پانچوین اور چھٹی صدی کا زمانہ نہایت اہمیت رکھتا ہے، اس زمانہ مین شیخ بو علی سینا کی عام شہرت نے دوسرے فلاسفہ کو تقریبًا گمنام کر دیا تھا،

کچھ لوگ شیخ الاشراق کے بھی معتقد تھے، لیکن ابو نصر فارابی کو لوگون نے بالکل بھلا دیا تھا، اور قدماء کی کتابون کو تو کوئی شخص آنکھ اٹھا کر بھی نہین دیکھتا تھا، لیکن بعض اشخاص ایسے بھی تھے، جو ابو نصر فارابی اور قدماء کی کتابون سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے، اور شیخ بو علی سینا کے مخالف تھے، ابتدا مین موفق الدین عبد اللطیف بغدادی بھی شیخ بو علی سینا کے سخت معتقد تھے، لیکن بعد کو اسی قسم کے ایک بزرگ سے اُن کی ملاقات ہوئی، تو بحث و مباحثہ کے بعد ان کے قدیم خیالات بالکل بدل گئے، اور معلوم ہوا کہ تمام دنیا کو شیخ بو علی سینا اور شیخ الاشراق نے گمراہ کر رکھا ہے، اصلی فلسفہ قدماء کی کتابون مین ہے، اس لحاظ

سے فلسفۂ اسلام کی تاریخ پر چونکہ ان کے حالات سے روشنی پڑتی ہے، اس لئے وہ خاص طور پر دلچسپی کا موجب ہو سکتے ہین،

وہ ۵۵۷ھ مین بغداد مین پیدا ہوئے، اور شیخ ابو النجیب کے دامن مین تربیت پائی، خوش قسمتی سے ان کا خاندان علوم عقلیہ و نقلیہ دونون کا جامع تھا، ان کے والد یوسف علوم شرعیہ یعنی قرآن، حدیث، اصول فقہ اور علم کلام کے ساتھ کسی قدر علوم عقلیہ سے بھی واقف تھے، اور ان کے چچا سلیمان بھی بہت بڑے فقیہ تھے لیکن چونکہ اس خاندان مین غلبہ علوم شرعیہ کا تھا، اس لئے بچپن مین شیخ موفق الدین کی ابتدائی تعلیم حدیث سے شروع ہوئی، لیکن اسی زمانہ مین وہ لکھنا بھی سیکھتے تھے، قرآن مجید، فصیح، مقامات اور دیوان متنبی بھی حفظ کرتے تھے اور ایک مختصر کتاب فقہ کی اور ایک مختصر کتاب نحو کی بھی پڑھتے تھے، جب بڑے ہوئے تو ان کے والد ان کو شیخ کمال الدین عبد الرحمن الانباری کی خدمت مین لے گئے، جو اس وقت بغداد کے شیخ اور ان کے پرانے دوست تھے، اونھون نے اُن سے فصیح کا خطبہ پڑھنا شروع کیا، لیکن ان کی طویل تقریر کا ایک حرف بھی نہ سمجھے، البتہ اون کے اور تلامذہ ان کی تقریر کو نہایت پسند کرتے تھے، لیکن شیخ کمال الدین انباری نے خود کہا کہ مین بچون کو تعلیم نہین دیتا، بلکہ ان کو اپنے شاگرد وجیہ الواسطی کے سپرد کر دیتا ہون، جب ان کی تعلیم سے وہ متوسط درجہ کی قابلیت حاصل کر لیتے ہین، تو خود تعلیم دیتا ہون،

وجیہ واسطی ایک نابینا اور دولت مند شخص تھے، اور بعض رئیسون کے بچون کو تعلیم دیتے تھے، انھون نے نہایت خوشی سے ان کو ہاتھون ہاتھ لیا، اور صبح سے شام تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ تعلیم دیتے رہے، وہ مسجد ظفریہ مین اُن کے حلقۂ درس مین شریک ہوتے تھے، اور وہ ان کو تمام کتابون کے درس مین شرکت کا موقع دیتے تھے، پھر خاص طور پر ان کی درسی کتابین پڑھاتے تھے، مسجد سے نکلنے کے بعد راستے مین بھی بحث و مذاکرہ جاری رکھتے تھے، پھر جب ان کے گھر پہونچتے تھے، تو وہ خود اپنی درسی کتابین نکالتے تھے، اور عبد اللطیف بغدادی بھی اون کے ساتھ ان کو یاد کرتے تھے، پھر وہ شیخ کمال الدین کے پاس جا کر اپنی درسی کتابین پڑھتے تھے

تو عبد اللطیف بغدادی بھی ان کو سنتے تھے، یہان تک کہ حفظ و فہم مین ان سے بھی بڑھ گئے، اب جس قدر ان کی علمی قابلیت بڑھتی جاتی تھی، وہ ایک اوستاد کو چھوڑ کر دوسرے استاد کی خدمت مین جاتے تھے، اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، اس طرح اونھون نے جو کتابین پڑھین یا ان کو حفظ کیا، یا ان کے مطالعہ مین رہین ان کے نام یہ ہین، اللمع، شرح الثوانین، شرح الشریف عمر بن حمزہ، شرح ابن برہان، ادب الکاتب، تقویم اللسان، مشکل القرآن، غریب القرآن، ایضاح ابو علی فارسی اور اوسکی شرحین، تکملہ، مقتضب للمبرد، کتاب ابن درستویہ، نحو، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، زہد اور تصوف مین شیخ کمال الدین کی ۱۳۰ کتابین، کتاب سیبویہ، کتاب الاصول لابن السراج، فرائض، عروض للخطیب التبریزی، معانی الزجاج، علم حدیث مین ان کے شیخ ابو الفتح محمد بن عبد الباقی المعروف بابن البطی، ابوزرعہ طاہر بن محمد المقدسی، ابو القاسم یحیی بن ثابت الوکیل وغیرہ تھے، اور اُن سے اونھون نے بچپن مین علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد اونھون نے شیخ ابن فضلان سے حدیث اور فقہ پڑھی، اور شیوخ بغداد، شیوخ خراسان، شیوخ شام، اور شیوخ مصر سے علم حدیث کی سند حاصل کی،

منطق و فلسفہ مین ان کے اساتذہ کا نام نہین معلوم ہوتا، اونھون نے اپنے اساتذہ مین امین الدولہ ابن التلمیذ کے ایک لڑکے کا نام لیا ہے، اور چونکہ وہ عیسائی تھا، اس لئے لازمی طور پر اوس سے علم طب یا دوسرے علوم حکمیہ کی تعلیم حاصل کی ہو گی، لیکن عقلی علوم کی طرف جس طرح ان کا میلان پیدا ہوا، اوسکی تاریخ اونھون نے خود یہ بیان کی ہے، کہ بغداد مین ایک مغربی شخص صوفیانہ وضع مین آیا، جو ابن ناتلی کے نام سے مشہور تھا، اور اپنے آپ کو لمتین کی اولاد مین شمار کرتا تھا، اور مغرب پر عبد المومن کے تسلط و اقتدار کے بعد وہان سے نکل بھاگا تھا، جب اوس نے بغداد مین قیام کیا، تو اوس کے حسن تقریر، اوسکی وجاہت، اور مذہبی حالت نے لوگون کو گرویدہ کر لیا، اور اکابر و اعیان کی ایک جماعت اوس سے ملنے کے لئے آئی، مین بھی اوسکی خدمت مین حاضر ہوا، اور اس سے مقدمۂ حساب اور نحو مین مقدمہ ابن بابشاذ پڑھا، اوس کا طریقۂ تعلیم

ایسا عجیب تھا کہ لوگ اوس کو بڑا ماہر فن سمجھتے تھے، لیکن درحقیقت وہ سطحی معلومات رکھتا تھا، البتہ کیمیا اور
طلسمات وغیرہ کی کتابون کا خوب مطالعہ کیا تھا، اور ابن وحشیہ اور جابر کی تمام کتابین چھان ڈالی تھین، اور
اپنی شکل وصورت اور گفتگو سے لوگون کے دلون کو اپنی طرف مائل کرلیتا تھا، اس نے میرے دل کو تمام علوم
کے شوق سے لبریز کردیا، اس کے بعد وہ تو خود چلا گیا، لیکن مین ہمہ تن تحصیل علوم مین مشغول ہوگیا، اور
امام غزالی کی کتابون یعنی مقاصد الفلاسفہ، معیار، میزان اور محک النظر کا مطالعہ کرنا شروع کیا، پھر شیخ
بوعلی سینا کی تمام چھوٹی بڑی کتابون کی طرف متوجہ ہوا، اور کتاب النجاۃ حفظ کرڈالی، اور شفا کو اپنے
ہاتھ سے لکھا، شیخ بوعلی سینا کے شاگرد بہمن یار کی کتاب التحصیل پڑھی، اور جابر بن حیان صوفی اور ابن وحشیہ
کی کتابین بھی پڑھین، اور کیمیا سازی کرنے لگا، اس گمراہی مین مجھکو سب سے زیادہ شیخ بوعلی سینا کی اوس
کتاب نے مبتلا کیا جو اوس نے فن کیمیا مین لکھی ہے، اور اس سے اپنے فلسفہ کی تکمیل کی ہے،

۵۸۵ھ تک اون کی تحصیل علمی کی یہ سرگذشت ہے، اوس کے بعد بغداد مین ان کو کوئی قابل اعتماد
اوستاد نظر نہین آیا، اس لئے وہ موصل مین چلے آئے، اور یہان بھی ان کی تمنا پوری نہین ہوئی، یہان
صرف کمال بن یونس ایک شخص تھے، جو فقہ اور ریاضیات کے تو ایک جید عالم تھے، باقی حکمت کی اور شاخون
سے معمولی واقفیت رکھتے تھے، لیکن وہ اپنا دماغ اور وقت صرف کیمیا سازی مین صرف کرتے تھے، اور
اس کے علاوہ ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے، یہان ایک بہت بڑی جماعت نے شیخ عبداللطیف بغدادی سے
ملاقات کی، اور ان کے سامنے بہت سے مناصب پیش کئے، لیکن ان مین اونھون نے مدرسہ ابن المہاجر
المعلقہ اور اس کے ماتحت دار الحدیث کی خدمت کو اختیار کیا، اور ایک سال تک شب و روز اس مین
مصروف رہے، اور اہل موصل پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا، یہان اونھون نے شیخ شہاب الدین سہروردی
کی فلسفہ دانی کا غیر معمولی شہرہ سُنا، تو ان سے ملنے کا قصد کیا، لیکن ان کے یہان جانے سے پہلے اونھون
نے کمال بن یونس سے جو ان کے معتقدین مین تھے، ان کی چند کتابین لین اور تلویحات، لمحہ اور معارج

کا مطالعہ کیا، لیکن ان کو پڑھکر معلوم ہوا کہ دنیا جہالت مین مبتلا ہے، اس کے بعد وہ دمشق مین آئے، تو وہان
اعیان بغداد اور دوسرے شہرون کے علماء کی ایک بہت بڑی جماعت نظر آئی جس کو سلطان صلاح الدین
کی فیاضی اور قدردانی نے ایک جگہ جمع کردیا تھا، ان مین بعض لوگون سے اونھون نے مناظرے کئے، اور
اُن پر غالب آئے، اور یہان بہت سی کتابین تصنیف کین، دمشق مین ان کی ملاقات شیخ عبداللہ بن ناقلی
سے ہوئی جن کے متعلق وہان دو فریق ہوگئے تھے، ایک ان کا موافق اور ایک مخالف تھا، خطیب دولعی ان کے
مخالف اور بہت سے اعیان واکابر اُن کے موافق تھے، لیکن اونھون نے خود کیمیا سازی اور فلسفیانہ مباحث
کو چھیڑکر اپنے آپ کو مطعون کردیا، شیخ عبداللطیف بغدادی نے اون سے ملکر بہت سے علوم پر مباحثے
کئے لیکن ان کو معمولی درجہ کا عالم پایا، اس لئے ان کے ساتھ ان کو جو حسن ظن تھا، وہ قائم نہین رہا، اس لئے
ان کے یہان آنا جانا کم کردیا، پھر عبداللہ بن ناقلی نے ظاہر عکا مین سلطان صلاح الدین سے ملکر دولعی
کی شکایت کی، اور وہان سے بیمار ہوکر واپس آئے، تو شفاخانہ مین داخل کردیئے گئے، اور وہین اون کا
انتقال ہوگیا، اور ان کی کتابین دمشق کی پولیس نے اپنے قبضہ مین لے لین، اس کے بعد شیخ عبداللطیف
بغدادی بیت المقدس کی زیارت کو گئے، اور اوس کی زیارت سے فارغ ہوکر ظاہر عکا مین سلطان صلاح الدین
سے ملنا چاہا، اور پہلے قاضی فوج بہاء الدین بن شداد سے ملاقات کی، وہ موصل ہی مین ان کی شہرت
سُن چکے تھے، اس لئے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، اور کہا کہ عماد الدین کاتب کے یہان چلین، انکا
خیمہ بھی قاضی بہاء الدین کے خیمہ سے ملا ہوا تھا، وہ گئے تو اونھون نے ان سے علم کلام کے چند مسائل
پر گفتگو کی، اور کہا کہ چلو قاضی فاضل کے یہان چلین، یہ ان سب کے ساتھ قاضی فاضل کی خدمت مین گئے، تو
ان کو ایک نحیف الجثہ بزرگ نظر آئے، جو ہمہ تن قلب و دماغ تھے، وہ خود بھی لکھ رہے تھے، اور دو شخصون
سے لکھوا بھی رہے تھے، اسی حالت مین اونھون نے اُن سے قرآن مجید کے متعلق چند نحوی سوالات کئے اور بہت سے مسائل
پوچھے اور کہا کہ دمشق مین چلے جاؤ وہان تم کو وظیفہ مل جائیگا، لیکن عبداللطیف بغدادی نے کہا کہ مین مصر جانا چاہتا ہون، اونھون نے کہا

کہ فرنگیون نے چونکہ عکا پر قبضہ کر لیا ہے، اور مسلمانون کا کشت و خون کیا ہے، اس لئے سلطان پریشان
خاطر ہے، لیکن اونھون نے کہا کہ مجھے مصر جانا ضروری ہے، تو قاضی فاضل نے مصر مین اپنے وکیل ابن سنا الملک کو
ایک مختصر سا رقعہ لکھدیا، اس لئے اوس نے ان کو ایک آرام دہ مکان مین اوتارا، اور اشرفیان اور غلہ لیکر آیا،
اس کے بعد ارکانِ سلطنت کے یہان جاکر کہا، کہ یہ قاضی فاضل کے مہمان ہین، اب ان پر ہدایا و صلات
کی بارش ہونے لگی، ہر دسوین دن سرکاری مہمات کے متعلق قاضی فاضل کا ایک رسالہ دیوان مصر مین
آتا تھا، اور اس مین خاص طور پر شیخ عبداللطیف بغدادی کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے کی ہدایت ہوتی
تھی، اونھون نے مسجد حاجب لؤلؤ مین قیام کیا، اور لوگون کو تعلیم دینے لگے، وہ مصر مین صرف تین آدمیون
سے ملنے کے لئے آئے تھے، ایک یاسین سیمیائی، دوسرے موسیٰ بن میمون یہودی، تیسرے ابو القاسم الشارعی
ان مین سب کے سب ان سے ملنے کے لئے آئے، اور ان کو ان سب کے متعلق رائے قائم کرنے کا موقع ملا، یاسین
سیمائی محض ایک شعبدہ گر نکلا، اوس کی نسبت کہا جاتا تھا، کہ وہ جس مقدار مین چاہتا تھا، اور جس وقت
چاہتا تھا، اشرفیون کا ڈھیر لگا دیتا تھا، اور نیل کے پانی کو خیمہ بنا دیتا تھا، اور اس کے نیچے اپنے
رفقا کے ساتھ بیٹھتا تھا، موسیٰ بن میمون غیر محدود علم رکھتا تھا، لیکن سخت دنیا دار اور جاہ پرست تھا،
اوس نے یہود کے لئے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام کتاب الدلالۃ رکھا تھا، اوس نے یہ کتاب اصول
شرائع و اصول عقائد کی اصلاح کے لئے لکھی تھی، لیکن درحقیقت اوس سے ان کی تخریب ہوتی تھی، لیکن
ابھی تک ابو القاسم الشارعی سے ملاقات نہین ہوئی تھی، اس کی تقریب یہ ہوئی، کہ وہ ایک روز مسجد
مین بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے گرد لوگون کا ایک بڑا مجمع تھا اسی حالت مین ایک وجیہ شخص پھٹے پرانے
کپڑے پہنے ہوئے آیا، اور سب لوگ اوس سے مرعوب ہو گئے، اور اوس کو سب کے اوپر بٹھایا، جب مجلس
ختم ہو گئی، تو عبداللطیف بغدادی کے پاس مسجد کے امام نے آکر کہا کہ آپ اس شیخ کو پہچانتے ہین، یہ ابو القاسم
الشارعی ہین، اونھون نے ان کو گلے لگایا، اور کہا کہ مین آپ ہی سے ملنے کے لئے آیا ہون، اب وہ ان کو

اپنے مکان پر لے گئے، اور کھانا کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی، تو ان کی دلی مراد پوری ہوئی، اونکی
صورت اور سیرت دونون حکیمانہ تھی، دنیوی مال و اسباب مین سے بقدر کفاف پر قناعت کر لی تھی، اون
سے صحبت رہی، تو معلوم ہوا کہ وہ قدما، اور ابو نصر فارابی کی کتابون کے سب سے بڑے ماہر ہین، لیکن خود
شیخ عبداللطیف بغدادی کو قدما، اور ابو نصر فارابی سے کوئی عقیدت نہ تھی، ان کا خیال تھا کہ حکمت
کا خزانہ صرف شیخ بو علی سینا نے اپنی کتابون مین بھر دیا ہے، اس پر دونوں مین بڑی بحثین رہین، شیخ
عبداللطیف بغدادی اپنے عقیدہ پر شدت سے قائم تھے، اور وہ اس عقیدے کو بدلنا چاہتے تھے، اوس
اس غرض سے ابو نصر فارابی، اسکندر اور ثامسطیوس کی کتابین دکھاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ بھی مذبذب
ہو گئے، اسی حالت مین یہ خبر پھیلی کہ سلطان صلاح الدین نے فرنگیون سے صلح کر لی ہے، اور بیت المقدس
مین واپس آگیا ہے، اس لئے عبداللطیف بغدادی بھی بیت المقدس مین آئے، اور جہان تک ممکن ہو سکا،
قدما کی کتابین ساتھ لیتے آئے، یہان سلطان صلاح الدین کی علمی مجلس مین اُن کو شرکت کا موقع ملا،
اور اُس نے اُن کے لئے ۳۰ دینار ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا، سلطان کی اولاد نے بھی ان کے لئے وظائف
مقرر کئے، اور اس طرح اون کے لئے سو دینار ماہوار کے وظائف مقرر ہو گئے، اب وہ دمشق مین واپس
آئے، اور جامع دمشق مین لوگون کو تعلیم دینے لگے، اب قدما کی کتابون کا بغور مطالعہ کیا، تو ان کا شوق
بڑھا، اور بو علی سینا کی کتابون کا شوق گھٹتا گیا، کیمیا سازی کی لغویت سے بھی ان کو واقفیت ہوئی،
اور ان کے بیان کے موافق ان کو دو ہلاکت خیز گمراہیون سے جن مین تمام دنیا مبتلا تھی، نجات حاصل ہوئی،
ایک بو علی سینا کی کتابین، دوسرے کیمیا سازی کا شوق، اس کے بعد سلطان صلاح الدین کا انتقال ہو گیا،
اور اس کی اولاد ادھر اودھر پھیل گئی، اور مصر کی شادابی اور سرسبزی کی وجہ سے ان مین اکثر لوگ مصر چلے
گئے، لیکن شیخ عبداللطیف بغدادی نے دمشق ہی مین قیام کیا، اس وقت دمشق کا بادشاہ سلطان صلاح الدین
کا بڑا لڑکا ملک الافضل تھا، ملک العزیز نے مصری فوجون کو لیکر دمشق پر چڑھائی کی، اور اپنے بھائی کو

ذا مصر میں لے لیا لیکن اس کو کامیابی نہیں ہوئی، اور وہ درد قولنج کے لاحق ہو جانے سے مرج الصفر میں چلا گیا، جب اس کو درد سے نجات حاصل ہوئی تو شیخ عبداللطیف بغدادی اوس سے ملنے کو گئے، تو وہ ان کو بھی ساتھ لیتا گیا، اور بیت المال سے بقدر ضرورت ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، اب اونھون نے شیخ ابوالقاسم شارعی کے ساتھ قیام کیا، اور شب و روز ان سے صحبت رہنے لگی، یہان تک کہ شیخ ابوالقاسم شارعی نے انتقال کیا،

اس زمانہ میں ان کا مشغلہ یہ تھا کہ صبح سے چار گھنٹہ تک جامع ازہر مین تعلیم دیتے تھے، دوپہر کے وقت لوگ ان سے طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، دن کے اخیر حصہ مین پھر جامع ازہر میں آتے تھے، اور دوسرے لوگ اُن سے پڑھتے تھے، اور رات کو اپنا کام کرتے تھے، پھر ملک العزیز کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد بھی وہ ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے، اور سلطان صلاح الدین کی اولاد کی طرف سے ان کو وظیفہ ملتا رہا، اسی زمانہ مین مصر پر قحط اور وبا کی مصیبتین نازل ہوئیں، اور اونھون نے اس کے متعلق ایک کتاب، کتاب الافادہ والاعتبار کے نام سے لکھی، جس مین اس قحط اور وبا کے چشم دید اور مستند لرزہ خیز واقعات درج کئے، اس کے بعد جب سلطان ملک العادل سیف الدین ابوبکر ایوب نے مصر و شام اور مشرق کے اکثر شہرون پر قبضہ کیا، اور سلطان صلاح الدین کی اولاد کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی، تو وہ بیت المقدس مین چلے آئے، اور وہان قیام کرکے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف مین مشغول ہو گئے، پھر ۶۰۴ھ مین دمشق مین آئے، اور مدرسہ عزیزیہ مین تعلیم دینے لگے، اس سے پہلے ان کی شہرت علم نحو مین تھی، لیکن اب وہ طب مین مشہور ہوئے، اور اس فن میں بکثرت کتابین تصنیف کین، اس کے بعد مختلف شہرون کا سفر کرتے رہے، لیکن ان کا قیام زیادہ تر حلب مین رہا، اور وہان طب اور حدیث کا درس دیتے رہے، اور ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، وہ حلب سے نکل کر دمشق مین دوبارہ قیام کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن اس سے پہلے بغداد کے راستے سے حج کے سفر کا ارادہ کیا تاکہ

وہان خلیفہ مستنصر باللہ کی خدمت مین اپنی چند تصنیفات پیش کر سکین، لیکن بغداد مین پہنچکر بیمار ہو گئے اور ۱۲ محرم ۶۲۹ھ مین انتقال کیا، اور بہ مقام وردیہ اپنے باپ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے،

شیخ عبداللطیف بغدادی سے علامہ ابن ابی اصیبعہ کے خاندانی تعلقات تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ کے دادا جس زمانہ مین مصر مین تھے، اسی زمانہ مین شیخ عبداللطیف بغدادی بھی مصر میں تھے، اور اس بنا پر دونون مین گہرے دوستانہ تعلقات تھے، اور علامہ ابن ابی اصیبعہ کے باپ اور چچا اون سے علم ادب کی تعلیم حاصل کرتے تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ کے چچا نے اُن سے ارسطو کی کتابین بھی پڑھی تھین، وہ آخری بار دمشق مین آئے، تو خود علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی دیکھا، ان کا بیان ہے، کہ وہ نحیف الجثہ میانہ قد آدمی تھے، اور ان کو اپنے علم و فن پر بڑا ناز تھا، وہ اپنے زمانہ کے علما اور بہت سے علمائے قدیم کی تنقیص کیا کرتے تھے، اور اس مین حدِ اعتدال سے گذر جاتے تھے، وہ علمائے عجم بالخصوص شیخ بوعلی سینا پر بہت زیادہ اعتراضات کیا کرتے تھے،

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے شیخ عبداللطیف بغدادی کے بہت سے تعلیمی خیالات نقل کئے ہین، جو غور سے سننے اور پڑھنے کے قابل ہین، وہ فرماتے ہین، کہ تم کو اپنی سمجھ پر کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن محض کتب بینی سے علم نہ حاصل کرو، بلکہ ہر علم کو دو استادون سے حاصل کرو، اگر ایک استاد ناقص ہو تو جو کچھ علم اوس کے پاس ہے، اوس کو حاصل کر لو، پھر اوس سے زیادہ باکمال استاد مل جائے، تو اوس کو چھوڑ دو، جب کوئی کتاب پڑھو تو اوس کو حفظ یاد کر لو، یہان تک کہ اگر اوس کتاب کا وجود بھی باقی نہ رہے، تو تم کو اسکی پروا نہ ہو،

جب کوئی کتاب پڑھو، تو اوس کے ساتھ دوسری کتاب نہ پڑھو، بلکہ جو وقت دوسری کتاب کے پڑھنے مین صرف کرنا چاہتے ہو، وہ اسی کتاب مین صرف کرو،

ایک ساتھ دو علم کی تعلیم نہ حاصل کرو، بلکہ سال دو سال تک صرف ایک ہی علم کی تحصیل مین مصروف رہو، جب اوس سے فارغ ہو جاؤ، تو دوسرے علم کی طرف توجہ کرو، جب کوئی علم حاصل کر چکو تو صرف

اسی بنا پر قناعت نہ کرلو، بلکہ بحث ومباحثہ، غور وفکر، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے اوس کو ترقی دیتے رہو،

جب کسی علم کی تعلیم دو تو اوس کے ساتھ دوسرے علوم کی آمیزش نہ کرو، کیونکہ ہر علم مستقل حیثیت رکھتا ہے، اس لئے جو شخص اوس کے ساتھ دوسرے علم کی آمیزش کرتا ہے، وہ گویا ایک زبان کی تعلیم دوسری زبان کے ذریعہ سے دیتا ہے،

انسان کو علم تاریخ وسیر کی تعلیم بھی حاصل کرنی چاہئے تاکہ اوسکو گذشتہ قوموں کے عیب و ہنر سے بھی واقفیت حاصل ہو جائے،

انسان کو صدر اوّل کی روش اختیار کرنی چاہئے، اس کیلئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھنا چاہئے، اس طرح جب اوس کو معلوم ہو جائے گا، کہ خورد و نوش، وضع لباس، صحت ومرض وغیرہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طرز تھا، اور آپ اپنے اصحاب، ازواجِ مطہرات اور دشمنون کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، اور وہ اس پر تھوڑا بہت بھی عمل کریگا تو ایک سعادتمند انسان ہو جائیگا،

اپنی ذات سے ہمیشہ بدگمان رہو، اور اپنے خیالات علماء کے سامنے پیش کرتے رہو، جس شخص نے علماء کے دروازون پر ٹھوکرین نہین کھائین، وہ علم وفن کے میدان مین کبھی ثابت قدم نہ رہے گا،

اگر دنیا تم کو حاصل نہ ہو تو رنجیدہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر وہ تم کو حاصل ہو جائے گی، تو کسب فضائل مین حائل ہو گی، کیونکہ دولتمند لوگ علم کی تحصیل مین بہت کم جد وجہد کرتے ہین، البتہ اگر وہ بہت زیادہ بلند ہمت ہون یا تحصیل علم کے بعد ان کو دولت حاصل ہو جائے، تو یہ دوسری بات ہے، مین یہ نہین کہتا کہ دنیا طالب العلم سے منہ موڑ لیتی ہے، بلکہ وہ خود اوس سے منہ موڑ لیتا ہے، کیونکہ وہ صرف تحصیل علم مین مشغول رہتا ہے، اس لئے وہ دنیا کی طرف متوجہ ہی نہین ہوتا، دنیا حرص وطمع اور بڑے حیلے حوالے سے حاصل ہوتی ہے، لیکن چونکہ وہ حصول دنیا کے تمام اسباب سے بے پروا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ اوس کو حاصل نہین ہوتی، اس کے علاوہ ایک طالب العلم ذلیل پیشون کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے تجارت

کی مختلف قسمون کو اپنے رتبہ سے گرا ہوا پاتا ہے، ارباب دنیا کے سامنے سر نہین جھکاتا، دنیا انہی طریقون سے حاصل ہوتی ہے، اور اس مین بڑا وقت صرف کرنا پڑتا ہے، لیکن ایک شخص جو طلب علم مین مصروف ہے وہ اس دردسر مین مبتلا نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ چاہتا ہے، کہ دنیا یونہی بلا وجہ مل جائے، تو کیا یہ ظلم نہین ہے؟ البتہ ایک آدمی جب کسی علم مین پوری دستگاہ حاصل کر لیتا ہے اور اس مین مشہور ہو جاتا ہے تو ہر طرف سے اوس کی مانگ ہوتی ہے، اور اس کے سامنے عہدے پیش کئے جاتے ہین، اب دنیا اوس کے سامنے خود سربسجود ہو کر آتی ہے، اور اس حالت مین آتی ہے، کہ اوسکی عزت، اور اس کا دین محفوظ وبرقرار ہوتا ہے،

علم مین ایک خوشبو ہوتی ہے، جو پکار کر صاحب علم کا نام بتاتی ہے، اس مین ایک روشنی ہوتی ہے، جو صاحب علم کا پتہ دیتی ہے، مشک کا تاجر اور اوس کا سرمایہ چھپا نہیں رہ سکتا، جو شخص اندھیری رات مین مشعل لیکر چلتا ہے وہ مخفی نہیں رہ سکتا، پانی کے چشمے ایک بار خشک ہو جاتے ہین، پھر جوش مارنے لگتے ہین، یہی حال علم کا بھی ہے کہ اوس مین جزر ومد ہوتا رہتا ہے،

علم ایک قوم سے نکل کر دوسری قوم مین اور ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک مین جاتا ہے، اور اس طرح چلتا پھرتا رہتا ہے،

شیخ عبداللطیف بغدادی نہایت کثیر التصیفات ہین، اور حدیث، تفسیر، علم کلام، طب، فلسفہ، منطق، شعر وادب، تاریخ غرض ہر فن پر کتابین لکھی ہین، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ان کی تصنیفات کی فہرست ڈھائی صفحون مین درج کی ہے، اور ان مین بہت سی کتابین اچھوتے مضامین پر ہین، افسوس ہے کہ ان کی فلسفیانہ تصنیفات مین کوئی کتاب ابتک شائع نہین ہوئی، ورنہ امام غزالی، امام رازی اور ابوالبرکات بغدادی کے ساتھ فلسفۂ ارسطو اور فلسفہ ابن سینا کے مخالفین مین ایک اور معزز نام کا اضافہ ہو جاتا، اور فلاسفۂ قدیم کے بہت سے مسائل ونظریات منظر عام پر آجاتے،

کچھ تفسیر رازی کے متعلق

از

مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

اردو زبان مین غالباً سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے یہ راز فاش کیا، کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی کی کی تصنیف نہین ہی، بلکہ اس کی تکمیل شمس الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قمولی نے کی ہے،

ایک سلسلہ تحقیق مین اس مبحث سے متعلق بعض نئی چیزین سامنے آئین، وہ اس لئے پیش خدمت ہین کہ شاید دوسرے اہل علم کی نظرون مین بھی اور کچھ باتین ہون، جو منظر عام پر آسکین!

(۱) پہلی بات یہ ہو کہ تکملہ محض شمس الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قمولی کا مرہون منت نہین ہے، بلکہ ان کے سوا اس خدمت مین اور لوگ بھی شامل ہین، کتب خانہ خدیویہ مصر کی فہرست مین ہی،

ثم کمله جماعة منهم شهاب الدین خلیل الخوبی الدمشقی المتوفی سنة ۶۳۹ ونجم الدین احمد بن محمد القمولی المتوفی سنة ۷۲۷

امام رازی کی تفسیر کا تکملہ ایک جماعت نے کیا، ان میں سے شہاب الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قمولی ہین،

افسوس ہو کہ فہرست کے مرتب نے اپنا ماخذ نہین بتلایا، ورنہ جماعت کا شاید کچھ اور سراغ لگتا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ آج تک یہ امر تحقیق طلب ہو کہ اس تفسیر مین تکملہ نگارون نے کہان سے کہان تک لکھا ہے؟ فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر کے مرتب نے سید مرتضیٰ شارح قاموس اور سید مرتضیٰ نے شرح شفا خفاجی کے حوالہ سے بیان کیا ہو کہ امام رازی نے سورۂ انبیاء تک تفسیر لکھی تھی،[۲]

[۱] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر جلد اول ص۲۳۳ [۲] فہرست " ص۲۱۳،

مولانا شبلی مرحوم نے اس سے اختلاف فرمایا ہے، ان کا ارشاد ہو کہ سورۂ فتح تک امام صاحب کی تفسیر کا لکھا جانا یقینی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورہ کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھا ہے کہ ۶۰۳ھ مین تمام ہوئی، اور امام کی عادت ہے کہ ہر سورہ کی تفسیر ختم ہونے کی تاریخ لکھدیتے ہین، امام نے ۶۰۶ھ مین وفات پائی ہے، اس لئے ۶۰۳ھ ان کی زندگی کا زمانہ ہے،

اس سورہ کے بعد پھر کہیں اس قسم کی تصریح نہین ملتی، جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہین سے تکملہ نگارون کا سلسلہ شروع ہوتا ہے[۱]

لیکن اس رائے کے قبول کرنے مین دقت یہ ہو کہ سورۂ فتح سے پیشتر کی بعض تفسیری عبارتین صاف بتلاتی ہین، کہ امام رازی اس حصہ تفسیر کے مصنف نہین ہین، مثلاً سورۂ یٰسین کی تفسیر کے آخر مین امام غزالی کا یہ قول درج ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کو قرآن کا قلب اس لئے فرمایا، کہ اس سورہ مین حشر ونشر کے اعتقاد کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے، پھر امام غزالی کی اس رائے کے متعلق تحریر ہے،

واستحسنه فخر الدین الرازی رحمه الله سمعته یترحم علیه بسبب هذا الکلام، (تفسیر کبیر ج ۷، ص ۱۲۱ مطبوعه)

اس کو امام رازی نے پسند فرمایا، امام غزالی کے اس کلام کی وجہ سے مین نے رازی کو ان پر دعاے رحمت کرتے ہوئے پایا،

ظاہر ہو کہ یہ حصہ تفسیر امام رازی کے کسی دیکھنے والے ہی کا ہو سکتا ہو، اور ہمارے خیال میں وہ شمس الدین خوبی شاگرد امام رازی ہین، جن کا تذکرہ بعد کو آئے گا!

اسی طرح سورۂ بقرہ مین حروف مقطعات کے متعلق ایک تفصیلی بحث ہے، پھر سورۂ عنکبوت مین حروف مقطعات کے متعلق دوبارہ ایک مستقل بحث ملتی ہے، اس کے بعد سورۂ ص جس کے آخر مین امام رازی نے تاریخ اختتام درج فرمائی ہو، اس کے شروع مین لکھتے ہین کہ اگرچہ سورۂ بقرہ مین حروف مقطعات کے متعلق تفصیلی بحث گذر چکی ہے، مگر یہان بعض وجوہ کا ذکر کیا جاتا ہو،

[۱] مقالات شبلی جلد ۴ ص ۴۳،

اب سوال یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت کی بحث کا امام نے تذکرہ کیوں نہیں فرمایا؟ حالانکہ وہاں اس عنوان پر خصوصی بحث ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ سورۂ عنکبوت کی تفسیر بھی امام کی نہیں ہے، جس کا پہلا قرینہ تو یہی ہے کہ اگر انھون نے اس کو لکھا ہوتا، تو اس کا حوالہ ضرور دیتے، دوسرے یہ کہ سورۂ یٰسین کی تفسیر جس کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ امام رازی کی تفسیر نہیں ہے،

اس کے شروع مین یہ عبارت ہے،

قد ذکرنا کلاماً کلیاً فی حروف التھجی فی سورۃ العنکبوت[۱]،	حروف تہجی کے متعلق سورۂ عنکبوت مین ہم نے ایک مفصل گفتگو کی ہے،

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے سورۂ یٰسین کی تفسیر لکھی ہے، وہی سورۂ عنکبوت کا بھی مفسر ہے، یہ چیز بھی قابلِ لحاظ ہے کہ سورۂ یٰسین کا مفسر سورۂ عنکبوت کی بحث کا حوالہ تو دیتا ہے، لیکن سورۂ بقرہ جہان کئی صفحون مین یہ بحث ہے، اس کا حوالہ نہیں دیتا ہے، کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ سورۂ بقرہ کا حصۂ تفسیر اس کا لکھا ہوا نہین ہے!

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر کو مسلسل نہین لکھا، بلکہ مختلف اوقات مین مختلف حصے لکھے، اور ان باقی ماندہ حصون کو تکملہ نگارون نے پورا کیا،

اور اگر مولانا شبلی کے ارشاد کے بموجب تاریخ اختتام کے اندراج کو امام رازی کے تفسیری حصہ کی علامت قرار دیا جائے، تو سورۂ فتح سے پیشتر کی حسب ذیل سورتون کی تفسیر کا امام رازی کی طرف انتساب مشکوک ہو جائے گا، اس لئے کہ ان سورتون میں تاریخ کا اندراج نہیں ہے،

(۱) سورۂ فاتحہ (۲) سورۂ بقرہ (۳) سورۂ مائدہ (۴) سورۂ انعام (۵) سورۂ اعراف (۶) سورۂ حجر، (۷) سورۂ مریم (۸) سورۂ طٰہٰ (۹) سورۂ انبیاء (۱۰) سورۂ حج (۱۱) سورۂ مومنون (۱۲) سورۂ نور

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۵،

(۱۳) سورۂ فرقان (۱۴) سورۂ شعراء (۱۵) سورۂ نمل (۱۶) سورۂ قصص (۱۷) سورۂ عنکبوت (۱۸) سورۂ روم (۱۹) سورۂ لقمان (۲۰) سورۂ سجدہ (۲۱) سورۂ احزاب (۲۲) سورۂ سبا (۲۳) سورۂ فاطر (۲۴) سورۂ یٰسین (۲۵) سورۂ محمد،

ہمارے خیال میں امام رازی کے حصۂ تصنیف اور تکملہ نگارون کے حصۂ تصنیف مین اسی وقت امتیاز کیا جا سکتا ہے جب کہ تفسیر کبیر کا ایک ایک حرف پڑھا جائے، مصنفین نے جا بجا اپنے عہد کے علما و مشائخ کا تذکرہ کیا ہے، ان علما و مشائخ کے حالات تلاش کئے جائین، اس طرح زمانہ کی تعیین ہو جائے گی، اور تعیین زمانہ کے بعد مصنف کا معلوم ہو جانا مشکل نہین ہے، مثال کے طور پر سورۂ (ق) مین آیت وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کی تفسیر مین ایک مصری عالم امام زین الدین[۱] کا نام لیا گیا ہے، اب تک ہم امام زین الدین کی شخصیت کا پتہ نہ چلا سکے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کے حالات کے معلوم ہو جانے کے بعد زمانۂ تصنیف اور مصنف کا پتہ چلانا کیا مشکل ہے!

تفسیر رازی کے تکملہ نگار (۱) تفسیر رازی کے پہلے تکملہ نگار قاضی القضاۃ شمس الدین احمد بن خلیل بن سعادہ بن جعفر بن عیسی المہلبی الشافعی ہین، یہ شوال ۵۸۳ھ مین پیدا ہوئے، خراسان میں علم کلام پڑھا، فقہ امام رافعی سے اور مناظرہ علاء الدین طاوسی سے حاصل کیا، موید طوسی سے بھی نفع اوٹھایا، اور ابن زبیدی اور ابن صلاح سے بھی استفادہ کیا، خود ان کے حلقۂ درس سے بھی جلیل القدر اہل علم پیدا ہوئے، مثلاً تاج الدین ابن ابی جعفر، ابو عمرو بن حاجب، جمال محمد بن الصابونی، خود ان کے بیٹے قاضی القضاۃ شہاب الدین محمد، یہ ان کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہین[۲]،

شمس الدین کو امام رازی سے شرف تلمذ حاصل تھا یا نہین؟ اس کے متعلق سبکی نے دو قول نقل کئے ہین، کہ بعض کے نزدیک یہ امام رازی کے شاگرد تھے، اور بعض کے نزدیک قطب مصری شاگرد رازی

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۴۴۲، اس موقع کے الفاظ یہ ہین، ھٰذا وجہ جید مستفاد من الامام زین الدین ادام اللہ فوائدہ ۲؎ طبقات شافعیہ ج ۵ ص ۸،

کے شاگرد تھے، لیکن ابن ابی اصیبعہ (۶۶۸ھ) جو شمس الدین خوئی کے شاگرد ہین، اور ان سے تبصرہ ابن سہلان پڑھا ہے، ان کا بیان ہے کہ شمس الدین امام رازی کے شاگرد تھے،[1] (۲) ممکن ہے کہ دونون سے پڑھا ہو،

بہرحال یہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے، طب کے پورے واقف کار تھے، سلطان ملک معظم عیسیٰ بن الملک العادل کے زمانہ مین شام تشریف لائے، بادشاہ چونکہ خود صاحب علم تھا، اس نے ان کی بہت قدر کی، وظیفہ مقرر کیا، عرصہ تک ساتھ رہا، پھر دمشق مین ان کے قیام کا انتظام کر دیا، یہ دمشق مین قاضی القضاۃ بھی ہو گئے تھے!

بہت متواضع تھے، مزاج مین نرمی تھی، گفتگو بہت شیرین ہوتی، حیا کا غلبہ تھا، مروت طبیعت بن گئی تھی، شکل و شباہت بھی بہت اچھی تھی،

دمشق مین دق کے مرض مین ۷ شعبان ۶۳۷ھ کو انتقال ہوا،[2] اس حساب سے چون (۵۴) سال کی عمر ہوئی،

ان کے نام اور سنہ وفات مین کسی قدر غلط فہمی ہوئی ہے، جس کا ازالہ مناسب ہے، الکشف الظنون،[3] فہرست کتب خانہ خدیویہ[4] اور مقالات شبلی[5] مین بجائے شمس الدین کے ان کا نام شہاب الدین درج ہے حالانکہ صحیح نام شمس الدین ہے، شہاب الدین ان کے بیٹے کا نام ہے، چنانچہ طبقات شافعیہ، طبقات الاطبار، اور شذرات الذہب وغیرہ مین ان کا نام شمس الدین ہی مذکور ہے، اور ان کے بیٹے کا نام شہاب الدین تبلایا گیا ہے،

سال وفات میں یہ غلطی ہوئی ہے کہ کشف الظنون مین ۶۳۹ھ درج ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی یہی سنہ لکھا ہے، لیکن شذرات الذہب[6] اور طبقات الاطبار[7] مین ہے کہ شعبان ۶۳۷ھ میں ان کا

---

[1] طبقات الاطبار ج ۲ ص ۱۷۱، [2] ایضاً، [3] کشف الظنون جلد ۲ ص ۴۴۴، [4] فہرست خدیویہ جلد ۱ ص ۱۶۳، [5] مقالات شبلی جلد ۳ ص ۴۳

[6] ج ۵ ص ۱۸۳، ابن عماد حنبلی (۱۰۸۹ھ) نے شذرات مین ۶۳۷ھ میں وفات پانے والون کے سلسلہ مین قاضی القضاۃ شمس الدین کا تذکرہ کیا ہے، مگر حیرت انگیز یہ ہے کہ اسی پانچوین جلد مین ص ۴۲۲ میں ۶۹۳ھ مین وفات پانیوالون کے ضمن مین بھی ان کا ذکر ہے، لیکن وہان بھی سال وفات ۶۳۷ھ ہی درج ہے [7] جلد ۲ ص ۱۷۱،

انتقال ہوا ہے، البتہ سبکی نے ۷ شعبان ۶۶۷ھ لکھا ہے،[1] معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے ثلاثین کو ثمانین لکھ دیا ہے!

اس سلسلہ میں ایک تیسری چیز کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے، وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے بحوالہ کشف الظنون تحریر فرمایا ہے، کہ شمس الدین کے تکملہ کا نام واضح تھا، مولانا مرحوم کو اس مین تسامح ہوا، صاحب کشف الظنون نے اس تکملہ کا نام واضح نہین تبلایا ہے، بلکہ تفسیر رازی کے خلاصہ کا نام واضح بتایا ہے، پوری عبارت یہ ہے!

وصنف الشيخ نجم الدين احمد	شیخ نجم الدین قمولی متوفی ۷۷۷ھ نے
بن محمد القمولي تكملة له وتوفى	اور شہاب الدین دمشقی متوفی ۶۳۹ھ نے
سنة ۷۷۷ سبع وسبعين وسبع	اس کا تکملہ لکھا، اور برہان الدین محمد بن
مائة وقاضى القضاة شهاب الدين	محمد نسفی نے اس کا خلاصہ کیا، اور اس
بن خليل الخويى الدمشقي كمل ما نقص	کا نام واضح رکھا،
منه ايضاً وتوفى سنة ۶۳۹ تسع	
وثلاثين وستمائة، واختصره	
برهان الدين محمد بن محمد النسفى	
المتوفى سنة ۶۸۷ سبع وثمانين و	
ست مائة وسماه الواضح،[2]	

الفوائد البہیہ ص ۲۰۰ مین بھی نسفی کو تفسیر رازی کا خلاصہ نگار بتایا گیا ہے، کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۷ میں ایک دوسرے خلاصہ نگار محمد بن القاضی کا بھی ذکر ہے، اس خلاصہ نگار نے کچھ اضافے بھی کئے ہین، (کتب خانہ)

---

[1] طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۰، [2] کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۷۷،

خدیویہ مین تفسیر رازی کا ایک ناقص خلاصہ موجود ہے، اگر مصنف کا نام معلوم نہین![1]

تفسیر قمی نیشاپوری بھی تفسیر رازی کا خلاصہ ہی ہے،!

(۲) تفسیر رازی کے دوسرے تکملہ نگار احمد بن محمد بن ابی الحزم مکی بن یاسین القمولی نجم الدین ہین[2]، سالِ پیدائش متعین طور سے معلوم نہین، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی[3]، اور سبکی[4]، وفات کے وقت اِن کی عمر ۸۰ سال کی بتلاتے ہین، اور ان کی وفات رجب ۷۲۷ھ مین ہوئی ہے، اس حساب سے سالِ پیدائش ۶۴۷ھ ہوتا ہے، یعنی شمس الدین خوئی کی وفات کے دس سال بعد یہ پیدا ہوئے !

ان کے سالِ وفات مین بھی کسی قدر غلط فہمی ہوئی ہے، کشف الظنون مین ۷۷۷ھ ہے مولانا شبلی مرحوم نے بھی یہی سنہ وفات لکھا ہے[5]، لیکن یہ صحیح نہین ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی[6]، ابن عماد حنبلی[7]، علامہ سبکی[8]، حافظ جلال الدین سیوطی[9]، اور ان سب سے بڑھ کر کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر الادفوی ۷۴۸ھ، جو نجم الدین قمولی کے نہ صرف ہم عصر بلکہ ہمدم و ہمراز بھی تھے، وہ بھی سنہ وفات رجب ۷۲۷ھ تبلاتے ہین[10]،

نجم الدین قمولی قاضی القضاۃ بدر الدین جماعہ کے تلامذہ مین سے تھے، بہت صاحب علم و فضل تھے، مختلف مقامات مین عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، اہلِ علم کا قول تھا کہ ان سے زیادہ مصر مین کوئی فقیہ نہین، ان کو مزاج مین بہت نرمی تھی، احباب کا بہت خیال رکھتے تھے، وظائف و اوراد کے پابند تھے، رات کو شب بیداری، اور دن کو کثرتِ ذکر سے اپنے اوقات کو پُر نور رکھتے تھے، ادفوی کا بیان ہے کہ مرض الموت مین، مین نے ان سے کہا کہ معمولات مین کچھ کمی کر دیجئے، لیکن راضی نہ ہوئے، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف خاص مشغلہ تھا، جب تک لکھنے سے معذور نہ ہوئے، برابر تصنیف کا کام جاری رہا[11]، رحمہ اللہ،

---

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد ۱ ص ۲۰۹ [2] الطالع السعید ص ۶۳ [3] درر کامنہ جلد اول ص ۳۰۴ [4] طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۹ [5] مقالات شبلی ج ۲ ص ۳۴ [6] درر کامنہ جلد اول ص ۳۰۴ [7] شذرات الذہب جلد ۶ ص ۷۷ [8] طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۹ [9] حسن المحاضرہ اول ص ۱۰۰ [10] الطالع السعید ص ۶۳ [11] ایضاً ص ۶۴،

امام رازی کی دوسری تفسیری خدمات

تفسیر کبیر کے سوا امام رازی کی دوسری تفسیری خدمات سے عموماً لوگ واقف نہین ہین، ہمارے علم مین اس سلسلہ کی جو کتابین ہین، ان کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا !

قفطی[1] نے تفسیر کبیر کے سوا حسب ذیل تفسیرون کا پتہ دیا ہے :-

۱- تفسیر سورۂ فاتحہ،

۲- تفسیر سورۂ بقرہ، خالص عقلی حیثیت سے،

۳- تفسیر صغیر جس کا نام اسرار التنزیل و انوار التاویل ہے،

کشف الظنون مین بھی اسرار التاویل کا ذکر ہے، اور لکھا ہے کہ یہ نامکمل رہ گئی تھی[2]، یہ کتاب کتب خانہ بانکی پور مین موجود ہے[3]، علامہ ابو الوفا نصر ہورینی ۱۲۹۱ھ نے اپنی تفسیر سورۂ ملک مین اس سے نفع بھی اٹھایا ہے[4]، لیکن اس کو بجائے تفسیر کے علم کلام کا رسالہ کہہ سکتے ہین،

تفسیر سورۂ فاتحہ کے متعلق کشف الظنون مین ہے کہ یہ دو جلدون مین تھی، اور اس کا نام مفاتیح العلوم تھا[5]،

صاحب طبقات الاطبار نے بھی تفسیر سورۂ فاتحہ اور تفسیر سورۂ بقرہ کو تفسیر کبیر کے سوا مستقل تفسیر شمار کیا ہے، لیکن تاہنوز یہ امر تحقیق طلب ہے کہ واقعی تفسیر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ موجودہ تفسیر کبیر سے الگ ہے یا اس مین شامل ہے؟ صاحب طبقات الاطبار نے ایک اور کتاب کا حوالہ دیا ہے، جس کا نام رسالہ فی التنبیہ علی بعض الاسرار المودعۃ فی بعض سور القرآن العظیم ہے!

کشف الظنون مین[6] درۃ التنزیل و غرۃ التاویل کے نام سے ایک تفسیری کتاب کو امام رازی کی

---

[1] اخبار الحکما ص ۱۹۱ [2] کشف الظنون ج اول ص ۹۵ [3] مفتاح کنوز الخفیہ جلد اول صفحہ ۴۲ [4] فہرست کتب خانہ خدیویہ ج اول ص ۱۴۷ [5] کشف الظنون ج اول ص ۱۳۳ ج دوم ص ۴۷۶ [6] کشف الظنون جلد اول ص ۴۸۳،

کے نام سے منسوب کیا ہے، اس مین قرآن مجید کی مکرر آیات سے بحث ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر مین موجود ہے،[۱] لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو امام رازی کی تصنیف ہے، یا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب اسکافی کی کتاب ہے، جس کا نام بھی یہی ہے!

کتب خانہ مصر کی فہرست مین ہے کہ اس کتاب پر ایک ورق لگا ہوا ہے جس مین لکھا ہے کہ یہ کتاب ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب کا املا ہے، فہرست کے مرتب نے اس صفحہ کو جعلی قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمارے نزدیک اس کتاب کا انتساب امام رازی کی طرف مشتبہ ہے، اس لئے کہ امام رازی کی طرف منسوب مصری نسخہ کا جسکا حوالہ فہرست مین ہے، اور اسکافی کے نسخہ مطبوعہ کا خاتمہ بالکل ایک ہے اور وہ یہ ہے:

هذا آخر ما تكلمنا عليه من الآيات التي يقصد الملحدون التطرق منها الى عيبها،

البتہ یہ چیز لائق توجہ ہے کہ ان دونون کی ابتدا مین اختلاف ہے، مصری نسخہ منسوب بہ امام رازی کی ابتدا الحمد للہ حمد الشاکرین سے ہے، اور اسکافی کی درۃ التنزیل کی ابتدا ان کلمات سے نہین ہے!

۱؎ فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد اول ص ۱۷۳،

تفسیر ابو مسلم اصفہانی

عربی معتزلہ کی مفقود الخبر نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت: -عہ ضخامت ۱۰۳ صفحے،

حدائق البیان فی معارف القرآن

اس کتاب مین قرآن مجید کے متعلق بہت سے لفظی اور معنوی مباحث درج کئے گئے ہین جن سے عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکتے ہین، اور قرآن مجید کے متعلق بہت سے معلومات حاصل کر سکتے ہین،

قیمت: -عہ؍ ضخامت ۳۴۲ صفحے

منیجر

استفسار و جواب

"درۃ التاج لغرۃ الدباج"

اور

علامہ قطب الدین شیرازی

جناب حافظ صاحب حافظ محمد (حافظ منزل) راندیر ضلع سورت

مکرم و مخدوم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ مزاج اقدس بعافیت ہوگا، احقر بھی بفضلہ تعالیٰ مع الخیر ہے، عرصہ ہوا، کہ جناب راندیر تشریف لائے تھے، اوس وقت مختصر سی ملاقات و زیارت ہوگئی تھی، اس کے بعد نہ ملاقات کا موقع ہوا، اور نہ ہی عریضہ ارسال کرنے کی نوبت آئی، گو اکثر جناب کا تذکرہ احباب کے سامنے آیا کرتا ہی، خصوصاً مجبور رنگونی کے ذریعہ خیریت مزاج گرامی معلوم ہوتی رہتی ہے، ایک خاص امر اس عریضہ کا باعث ہے، میرے ایک دوست کے پاس درۃ التاج مصنفہ علامہ محمود بن مسعود ابن المصلح الشیرازی ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، اس کی دو جلدین ان کے پاس ہین، ایک جلد غالباً ریاست ٹونک کے کتب خانہ مین ہے، چونکہ صاحب حاجت ہین، تو ان کا خیال ہوا کہ ممکن ہے اس نایاب کتاب کی قدر حیدرآباد مین ہو، اور ان کو اس کے صلہ میں کچھ رقم مل جائے، چنانچہ وہان ایک دوست کو لکھا گیا، وہان سے جواب آیا، کہ اس کے مصنف کون ہین، کس فن کی کتاب ہے، کتاب کس

سنہ کی ہے، براہ راست لکھا جاوے، کتاب کو دیکھنے سے تصنیف کا سنہ معلوم نہین ہوا، اور نہ اس کی کتابت کا سال معلوم ہوتا ہے، مصنف کا نام تو مین اس عریضہ مین لکھ چکا ہون، ان کا زمانہ بادشاہ فیل شاہ بن الملک المعظم رستم کی حکومت کا ہے، زبان کتاب کی فارسی ہے، کسی خاص فن کی کتاب نہین ہے، اس مین منطق و فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، اصول دین و فروع کا فلسفہ سب ہی کچھ ہے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی بہت ہی پسند فرمایا، اب آپ سے اس کے متعلق دو باتین عرض کرنی ہین،

ایک یہ کہ علامہ محمود بن مسعود و فیل شاہ کا زمانہ کونسا ہے، کس سنہ مین یہ حضرات تھے، و قرآن شریف کا کہین ذکر ہے یا نہین، دوم یہ کہ مولانا احمد اللہ ندوی دائرۃ المعارف کو اس بارہ مین کچھ سفارش کے طور پر تحریر فرما دین، مین اس معاملہ مین لوجہ اللہ دلچسپی لے رہا ہون، محض یہ خیال ہے کہ ایک کتاب بہت حاجت مند شخص کی ہین، صاحب علم ہین، ان کی ضعیفی کا زمانہ ہے، نیز یہ کہ ایسی عمدہ جامع کتاب کسی اچھی جگہ پہنچ جائے، اور ان غریب کا کام بھی ہو جائے، اس سلسلہ مین اگر اور کوئی بہترین صورت ذہن مبارک مین آوے، تو ضرور توجہ فرما دین، آپ کو اجر عظیم ملے گا،

حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب نے جب اس کتاب کو ملاحظ فرمایا، تو اونھون نے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا تھا، کہ اگر یہ کتاب حیدرآباد دائرۃ المعارف پہنچ جائے تو اچھی رقم مل سکے گی، بہر حال جناب والا کی توجہ گرامی سے امید قوی ہے کہ کوئی بہترین صورت نکل آئے گی، آپ کو اجر عظیم ملے گا، باقی سب خیریت ہے دعاؤن کا بیحد محتاج ہون،

والسلام

معارف:- محترم زاد مجدکم،

السلام علیکم:- گرامی نامہ ملا، آپ کی کتاب درۃ التاج کے بیش قیمت ہونے مین کوئی شبہہ نہین، یہ علوم عقلیات کی ممتاز تصانیف مین شمار کیجاتی ہے، لیکن اب یہ غیر مطبوعہ نہیں رہی، چند سال گذرے، یہ ایران سے رضا شاہ پہلوی کے عہد حکومت مین بڑے اہتمام سے کئی جلدون مین شائع ہو چکی ہے، اس کا مطبوعہ نسخہ ہمارے کتب خانہ مین بھی موجود ہے،

آپنے اس کے مصنف کا حال اور اس کا زمانہ دریافت فرمایا ہے، اس کے مصنف علامہ قطب الدین محمود ابن ضیاء الدین مسعود شیرازی ساتوین صدی مین افاضل روزگار مین سے تھے، علوم عقلیات مین ان کی قابل قدر تصانیف ہین، اور فلسفہ، حکمت، منطق، ریاضی اور ہیئت کی مختلف متون و شروح مین "قطب الدین شیرازی" یا "علامہ شیرازی" کے لقب سے یاد کئے گئے ہین،

علامہ قطب الدین شیراز کے ایک ذی علم خاندان مین ماہ صفر سنہ ۶۳۴ھ مین پیدا ہوئے، ان کا آبائی وطن شہر کازرون تھا، جو شیراز سے تین دن کی مسافت پر آباد تھا، چنانچہ ان کے والد شیخ ضیاء الدین مسعود ابن مصلح اسی نسبت سے کازرونی کہے گئے، وہ شیراز مین مقیم تھے، اور اپنے زمانہ کے مشہور اطباء و مشائخ صوفیہ مین شمار کئے گئے، انھیں بانی طریقہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردی سے بیعت خرقۂ ارادت حاصل تھا، شیراز کے بیمارستان مظفری مین تدریس کی خدمت اور مریضون کے معالجہ مین مصروف تھے، سنہ ۶۴۸ھ مین اونھون نے اپنے صاحبزادے قطب الدین محمود کو ۱۴ سال کی عمر مین چھوڑ کر وفات پائی،

شیخ ضیاء الدین جب تک زندہ رہے، اپنے نو عمر صاحبزادے کی تعلیم و تربیت مین مصروف رہے، چنانچہ قطب الدین محمود نے اپنی ابتدائی تعلیم، اور علم طب کی علمی و عملی تحصیل اپنے پدر بزرگوار سے کی، نیز شفیق باپ نے اپنے نو عمر بچہ کو دس برس کی عمر ہی مین تبرکاً خرقۂ تصوف پہنایا، پھر شیخ وقت حضرت نجیب الدین علی بن بزغش شیرازی کے سپرد کیا، ان کے حلقہ مین وہ بیٹھا کئے، اور شیخ وقت نے بھی اسی کم عمری مین انھیں خرقۂ تصوف سے نوازا،

پھر والد بزرگوار کی وفات کے بعد صرف چودہ سال کی عمر مین یہ اپنے والد کی جگہ پر اسی بیمارستان

منظفری کا میں خدمت پر مامور کئے گئے، اور دیگر اطبار کی نگرانی، ہدایت و شفقت سے عملی خدمات کے ساتھ فن کے علمی و عملی تجربے حاصل کرتے رہے، یہانتک کہ دس سال اسی طریقہ سے گذر گئے، اس کے بعد انھیں فن میں تبحر حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مختلف اساتذۂ روزگار کے حلقۂ درس کا رُخ کیا، اور فن کی مشہور کتابیں ممتاز اہل علم سے پڑھیں، اس سلسلہ میں پہلے اپنے چچا شیخ کمال الدین ابوالخیر بن مصلح کازرونی سے کلیات قانون ابن سینا پڑھی، پھر اسی طرح مختلف اساتذہ شیخ شمس الدین محمد بن احمد کیشی، شیخ الکل شرف الدین زکی البوشکانی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، اس زمانہ مین علوم عقلیات مین حکیم خواجہ نصیر الدین طوسی کا طوطی بول رہا تھا، چنانچہ شیخ قطب الدین محمود ان کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور اشارات ابن سینا اور فن ہیئت کا درس لیا، اور مختلف علمی و نظری علوم کے مشکلات و شکوک اُن سے حل کئے، نیز مشہور زیج ایلخانی کی ترتیب میں خواجہ کا ہاتھ بٹایا،

اس کے بعد شیخ قطب الدین نے اُن مشہور شہرون کی سیاحت شروع کی جو اس زمانہ مین علم کے مرکز تھے، اور ہر مقام کے اکابر سے استفادہ کیا، اسی سلسلہ مین بغداد مین شیخ طریقت حضرت محمد بن سکران بغدادی المتوفی ۶۶۰ھ سے فیوض حاصل کئے، پھر روم پہنچے، اور مولانائے روم جلال الدین رومی المتوفی ۶۷۲ھ کی صحبت مین بیٹھے، پھر قونیہ مین وارد ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی المتوفی ۶۷۳ھ کے حلقۂ ارادت مین بیٹھے، اور طریقۂ ارشاد و علوم شریعت و طریقت کی تحصیل کی، نیز حاکم روم معین الدین سلیمان پروانہ سے ان کے مخلصانہ روابط قائم ہوئے، وہ اُن سے غیر معمولی تعظیم و تکریم سے پیش آیا، اسی سلسلہ مین سیواس و ملطیہ کی قضاءت کی خدمت پر مامور کئے گئے، نیز درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، چنانچہ ان کی کتاب التحفۃ الشاہیہ اسی زمانہ کی تصنیف ہے،

اسی زمانہ مین انھون نے بعض دوسرے سیاسی خدمات بھی انجام دیئے، چنانچہ ہلاکو کے لڑکے تکدار نے اسلام لے آنے اور احمد نام اختیار کر لینے کے بعد شاہان اسلام کے پاس اپنی جو سفارتین بھیجیں، ان مین سے

مصر کی سفارت مین جو ملک قلاوون الفی (۶۷۸ھ-۶۸۹ھ) کے پاس گئی تھی، قاضی قطب الدین شیرازی بھی تھے، اور اس سلسلہ میں جو شاہی مراسلے ایک دوسرے کی طرف گئے ان مین انھین "اقضی القضاۃ" کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے (ابن خلدون ج ۵ ص ۴۲۷، مختصر الدول ص ۵۰۰، شذرات الذہب ج ۶ ص ۳۷)

علامہ قطب الدین شیرازی نے اس سفر میں شام میں کتاب الشفا اور کتاب قانون کا درس دیا، اس طرح ان کے علمی خدمات جاری رہے،

اس کے بعد حاکم تبریز نے انھیں اپنے یہان مدعو کیا، اور غیر معمولی ادب و احترام سے پیش آیا، آپ انھون نے اسی شہر مین اقامت اختیار کر لی، اور علم و فن کی خدمت مین ہمہ تن مصروف ہو گئے، اور اپنے عہد کے شہرۂ آفاق اساتذہ مین شمار کئے گئے، اگرچہ وہ روم، مصر، شام و عراق کے حکمرانون مین بڑی منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، لیکن آخر عمر مین اونھون نے امرا کے دولت کدون سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تھا، اور درس و تدریس و تصنیف و تالیف مین مصروف رہتے تھے، وہ مذہباً شافعی تھے، علامہ سبکی نے اسی حیثیت سے اپنی طبقات مین ان کا تذکرہ کیا ہے، ۷۴ برس کی عمر مین بماہ رمضان ۷۱۰ھ وفات پائی،

ان کے حلقۂ درس سے بیشمار تلامذہ نے فیوض حاصل کئے، اور اپنے زمانہ مین ممتاز اکابر و فضلا مین شمار کئے گئے، ان مین سے شیخ تاج الدین اردبیلی المتوفی ۶۷۷ھ، قطب الدین محمد رازی بویہی صاحب شرح مطالع المتوفی ۷۶۶ھ، نظام الدین اعرج نیشاپوری صاحب شرح شافیہ معروف بہ شرح نظام، و تفسیر غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری اور کمال الدین حسن بن علی الفارسی المتوفی ۷۱۸ھ وغیرہ ہین،

علامہ قطب الدین اپنے عہد مین علوم عقلیات کے بڑے ماہرین میں شمار کئے گئے ہیں اور مستند مورخین نے اسی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا ہے، چنانچہ اسنوی انھیں "امام عصرہ فی المعقولات" کہتا ہے، یافعی نے "عالم العجم" کا لقب دیا ہے، اسی طرح ابوالفداء نے انھین "امام و ماہر علوم ریاضی، منطق، فنون حکمۃ و طب و اصول فقہ و علم کلام" لکھا ہے،

علامہ قطب الدین عقلیات کے خشک موضوع سے وابستہ رہنے کے باوجود طبعاً نہایت شگفتہ مزاج تھے، ظرافت و بذلہ سنجی سے خاص لگاؤ تھا، ان کے دلچسپ لطائف و ظرائف بھی ان کے سوانح مین محفوظ ہین، ذوق شعری سے بھی مناسبت تھی، فارسی کلام کے کچھ نمونے کتابون مین ملتے ہین،

علوم کی خدمت کے ساتھ خاصہ وقت عبادت و ریاضت مین بھی گذارتے، اور لباس صوفیانہ زیب تن رکھتے تھے، تصنیفات کے سلسلہ مین یہ عادت تھی، کہ عموماً روزے رکھ کر مسودے لکھتے اور شب بیداری کرکے مسودہ کو مبیضہ مین منتقل کرتے تھے،

علامہ قطب الدین شیرازی کے مفصل سوانح حیات کے لئے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ابن حجر ج ۴ ص ۳۳۹ طبقات الشافعیہ سبکی ج ۶ ص ۲۴۸، دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۶۷، مرأۃ الجنان یافعی جلد ۴ وفیات ۷۱۰ بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۳۸۹، ابو الفداء ج ۴ ص ۶۵، الفوائد البہیہ مولانا عبد الحیّ ص ۵، ابن خلدون جلد ۵ ص ۵۴۶ تاریخ گزیدہ ص ۸۰۹ دیباچہ درۃ التاج سید محمد مشکواۃ بحوالہ روضات الجنۃ ج ۴ ص ۲۱۴، وصاف الحضرہ ج ۱ ص ۵۱، شرح حکمۃ الاشراق ص ۷، جامع التواریخ رشیدی ج ۱ ص ۶۳، حبیب السیر ج ۳ ص ۶، وغیرہ) نیز ریو نے فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم، و ضمیمہ فہرست مخطوطات عربی جلد ۲ ص ۴۳۴ مین اور ایتھ نے فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس ج ۱ ص ۴۹۴ و ۱۲۱۰ مین مصنف کے سوانح و تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، نیز ہفت اقلیم امین رازی سے ان کے حالات کا خلاصہ درج اور سفینۃ الاولیاء سے بعض اقتباسات نقل کئے ہین،

اسی طرح ان فہرستون مین بعض دوسری کتابون کے ضمن مین بھی تذکرہ آیا ہے، نیز معجم المطبوعات الیاس سرکیس مین ان کی بعض مطبوعہ کتابون کے ضمن مین مختصر حالات مندرج ہین اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون مین مختلف کتابون کا تذکرہ کیا ہے،

مختلف علوم مین حسب ذیل کتابین ان کی یادگار ہین،

۱۔ نہایۃ الادراک فی درایۃ الافلاک، اس مین علم ہیئت مین چار مقالے عربی مین قلمبند کئے گئے ہین، مختلف تذکرہ نگارون نے ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ کی کشف الظنون مین بھی تذکرہ آیا ہے کتبخانہ خدیویہ مصر (ج ۵ ص ۲۲۵) اور مدرسہ سپہ سالار ایران مین اس کے نسخے موجود ہین، یہ غالباً علامہ قطب الدین کی سب سے پہلی تصنیف ہے، جو محمد بن صاحب السعید بہاء الدین محمد جوینی حاکم اصفہان کے نام سے معنون کی گئی ہے،

۲۔ التحفۃ الشاہیہ بھی عربی زبان مین فن ہیئت مین ہے، امیر شاہ محمد بن الصدر السعید تاج الدین معتز بن طاہر کے نام سے معنون ہے، ہفت اقلیم امین رازی مین اس کا ذکر آیا ہے، یہ تحفۂ سیواس کے زمانہ کی تصنیف ہے، سید شریف اور ملا علی قوشجی نے اس پر حاشیہ اور اسکی شرح لکھی ہے شرح قوشجی کا نسخہ کتب خانہ خدیویہ مین موجود ہے، اصل کتاب کے نسخے بھی کتب خانہ ملی معارف طہران (فہرست کتب خانہ مذکور ج ۱ ص ۱۵۵) اور مدرسۂ سپہ سالار مین موجود ہین،

۳۔ شرح حکمۃ الاشراق کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ۱۳۱۵ھ مین طہران سے چھپ چکی ہے، مصنف نے اس کو جلال الدین علی بن محمد الاستجردانی کے نام سے معنون کیا ہے، معجم المطبوعات مین بھی اس کا ذکر آیا ہے،

۴۔ مفتاح المفتاح، یہ علامہ سکاکی المتوفی ۶۲۶ھ کی مشہور تصنیف مفتاح العلوم کی شرح ہے، امین رازی نے ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ نے اس کو اس کتاب کی بہترین شرحون مین شمار کیا ہے، (جلد ۲ ص ۴۰۰) مصنف نے اس کو خواجہ ہمام الدین ابن ہمام المتوفی ۷۱۳ھ کی خواہش سے لکھا تھا، اس کے نسخے دار الکتب مصریہ اور مدرسۂ سپہ سالار مین موجود ہین،

۵۔ التحفۃ السعدیہ، "شرح کلیات ابن سینا" کے نام سے بھی معروف ہے، ہفت اقلیم اور دوسرے تذکرون مین اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے اس کو قانون کی بہترین شرح قرار دیا ہے (ج ۲ ص ۲۱۰) یہ تصنیف خواجہ سعد الدین کے نام سے معنون ہے، مدرسۂ سپہ سالار مین اس کا نسخہ بھی محفوظ ہے، المغنی فی

شرح المعجز کازرونی کے ماخذ مین ہے، (برٹش میوزیم)

۶۔ شرح مختصر الاصول ابن حاجب، مصنف نے اس کا تذکرہ مفتاح المفتاح اور التحفۃ السعدیہ مین کیا ہے، حاجی خلیفہ کی نظر سے بھی اس کا نسخہ گذرا تھا،

۷۔ فتح المنان فی تفسیر القرآن معروف بہ "تفسیر علائی" (منسوب بہ علامہ قطب الدین) حاجی خلیفہ نے اس کو چالیس جلدون مین بتایا ہے، مصنف نے علوم عقلیات سے مناسبت رکھنے کے باوجود آیات کی تفسیر مین منقولات کے حدود سے تجاوز نہیں کیا ہے، اس کی پہلی جلد کتب خانہ خدیویہ مین موجود ہے،

۸۔ حاشیہ بر کشاف زمخشری، یہ دو جلدون مین ہو (کشف الظنون ج ۲ ص ۳۱۱)

۹۔ رسالۃ فی بیان الحاجۃ الی الطب وآداب الاطباء، اس کا ایک نسخہ جو ۹۱۳ھ کا مکتوبہ ہو کتب خانہ خدیویہ مین موجود ہے، لیکن یہ رسالہ کسی نام سے موسوم نہیں، رسالہ کی اصل عبارت اسی فقرہ سے شروع ہوتی ہے، جو بطور اسم درج کیا گیا،

حاشیہ بر حکمۃ العین، علامہ نجم الدین قزوینی المتوفی ۶۷۵ھ کی حکمۃ العین پر یہ حاشیہ ہے، جس کو شمس الدین محمد بن مبارک شاہ بخاری نے اپنی شرح حکمۃ العین مین تمام وکمال نقل کر لیا ہے، اور "فی الحواشی القطبیہ" لکھ کر اپنی شرح سے اس کا امتیاز قائم رکھا ہے، شرح حکمۃ العین کا یہی نسخہ اس زمانہ مین طلبہ مین عام طور پر متداول ہے،

۱۱۔ درۃ التاج لغرۃ الدباج، مصنف کی یہی وہ تصنیف ہے، جس کا قلمی نسخہ آپ کے دوست کے پاس اور مطبوعہ نسخہ ہمارے سامنے موجود ہے، یہ تصنیف امیر دباج بن فیل شاہ کی خواہش سے لکھی گئی، اور اسی مناسبت سے "درۃ التاج لغرۃ الدباج" کے نام سے موسوم کی گئی، چنانچہ مصنف نے مقدمہ مین دباج بن فیلشاہ کے علو نسب و مکارم اخلاق کا تذکرہ کر کے لکھا ہو:-

"پس موجب حکم مثال مطاع و فرمان مطاع کہ این اوراق اتفاق افتاد و بنام آن صاحب دولت

صاحب فکرت کیوان ہمت دوران فہمت فلک رفعت، ملک سیرت، متوج گردانید و از "درۃ التاج لغرۃ الدباج نام نہاد" (ج ۱ ص ۲۱)

دباج بن فیلشاہ گیلان کا حکمران تھا، الدرر الکامنہ مین اس کو دباج بن قطلی شاہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جو بلاشبہہ نسخہ کی غلطی ہے، اوس نے ۲۵ سال حکمرانی کی، ۷۱۴ھ مین حج و زیارت کیلئے روانہ ہوا، دمشق کے قریب ۵۴ سال کی عمر مین وفات پائی، اور دمشق مین دفن کیا گیا، (الدرر الکامنہ جلد ۲ ص ۱۰۳)

آگے چل کر لفظ "دباج"، ملوک گیلان کا لقب قرار پایا، چنانچہ ایتھ نے فہرست مخطوطات فارسی مین عبدالرزاق کی مطلع السعدین اور بعض دوسرے حوالون سے دکھایا ہے کہ گیلان کے سلاطین نے یہ لقب اختیار کر لیا تھا، اور ان کا یہ لقب شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ تک قائم رہا،

اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ جیسا کہ کتاب کے بعض داخلی شہادتون سے معلوم ہوتا ہے، ۶۹۳ھ سے ۷۰۵ھ کے اندر ہے، یہ ابن سینا کی کتاب الشفاء کے طرز پر فارسی زبان مین لکھی گئی، کتاب الشفاء اور درۃ التاج مین مصنف کتاب کے نقطۂ نظر سے یہ بنیادی تصنیفی فرق ہے، کہ ابن سینا نے حکمت نظری کے تمام مباحث کی بنیاد منطقی اصولون پر رکھی ہے، اور علوم ریاضی کو مختصراً جگہ دیا ہے، اور علامہ قطب الدین نے اس کے برعکس علوم ریاضی پر مسائل کی بنیاد رکھی ہے، اور منطقی مباحث کو اختصار سے لیا ہے، پھر دوسرا فرق یہ ہو کہ ابن سینا کی کتاب الشفاء مین فلسفۂ مشائین کی ترجمانی کی گئی ہے، اور درۃ التاج مین فلسفۂ اشراقیین کو پیش کیا گیا ہے، نیز اس مین کتاب الشفاء سے حکمت عملی کا ایک مستقل باب زیادہ ہے جس مین عبادات، فقہ و سلوک عرفا مندرج ہین،

اصل کتاب کا اندازہ اس کے ابواب و فصول کی فہرست سے لگایا جا سکتا ہے، کتاب "فاتحہ" سے شروع ہوتی ہے، جو تین فصلون پر مشتمل اور ہر فصل تین اصولون مین منقسم ہے:-

اصل اول "علی الاطلاق فضیلتِ علم" کے بیان مین، جس مین کتاب و سنت سے علم کے فضائل دکھائے ہین، اور عقلی دلائل سے انھین ثابت کیا ہی، پھر اصل دوم فضیلتِ تعلّم، اور اصل سوم فضیلتِ تعلیم کے بیان مین ہے، اور ان مین آیات، احادیث، آثار و اخبار دلائل مین جمع کئے گئے ہین،

اس کے بعد دوسری فصل "حقیقتِ علم" کے بیان مین ہے، اور یہ بھی چند اصول مین تقسیم ہی،

اصل اول "حقیقتِ علم" کی تفصیل مین اصل دوم، تصور علم بدیہی ہے، یا کسبی؟ اگر کسبی ہے تو اسکی تحدید ممکن ہے یا ناممکن؟ اصل سوم، علم کی تحدید کا ممکن، لیکن اس کی تعریف کا دشوار ہونا،

فصل سوم تقسیم علوم کے بیان مین، اور یہ بھی تین اصول مین منقسم ہے، اصل اول علم جو کہ مورد تقسیم بن سکے اصل دوم علم کی تقسیم حکمی و غیر حکمی مین، اور غیر حکمی کی تقسیم علوم دینی و غیر دینی مین اصل سوم علوم حکمی و دینی اور ان کی تقسیمون کے بیان مین،

اس کے بعد اسی فاتحہ کتاب" مین کتاب کے ابواب و مسائل کی فہرست مصنف نے درج کی ہے اس سے کتاب کے مباحث نگاہ کے سامنے آجاتے ہین، مصنف نے "باب" کے لئے "جملہ" کا لفظ اختیار کیا ہے، چنانچہ کتاب حسب ذیل جملون یا بابون مین تقسیم ہی :-

جملہ اول، فن منطق مین جو سات جداگانہ مقالون مین تقسیم ہی،

جملہ دوم، فلسفۂ اولیٰ کے بیان مین، یہ دو فنون مین تقسیم کیا گیا، فنِ اول امورِ عامہ کے بیان مین جس مین سات مقالات ہین، فنِ دوم اعراض وجودی و اعتباری کے بیان مین یہ بھی سات مقالات مین ہی،

جملہ سوم، علم اسفل یعنی علم طبیعی کے بیان مین، یہ بھی دو فنون مین تقسیم کیا گیا، فن اول اجسام طبیعی فنِ دوم نفوس و صفات اور ان کے آثار کے بیان مین ہی، دونون فنون بھی حسب معمول سات سات مقالون پر مشتمل ہین،

جملہ چہارم، علم اوسط یعنی علوم ریاضی مین، یہ چار فنون مین تقسیم ہے، فن اول اقلیدس (۵ مقالات)

فنِ دوم مجسطی (۱۳ مقالات) فنِ سوم ارتماطیقی (۴ مقالات) فنِ چہارم، علم موسیقی (۵ مقالات)

جملہ پنجم، علم اعلیٰ یعنی علم الٰہی مین، یہ دو فنون مین ہی، فنِ اول، عقل اور اس کے آثار عالم جسمانی و روحانی (۷ مقالات) فنِ دوم، واجب الوجود و حدانیت نعوت جلالِ الٰہی، کیفیت فعل وغیرہ (۷ مقالات)

اس کے بعد خاتمہ کتاب ہی جو چار اقطاب پر مشتمل ہی

قطب اول اصولِ دین،

قطب دوم فروعِ دین،

قطب سیم حکمتِ عملی،

قطب چہارم سلوک،

پچھلے ابواب کی طرح ان اقطاب مین بھی تحتانی مقالات، مقدمات و مسائل مندرج ہین،

مذکورۂ بالا اجمالی فہرست سے اس کتاب کے گوناگون مباحث و مسائل کا ایک سرسری اندازہ لگایا جاسکتا ہی اس تصنیف کی نمایان خصوصیت یہ ہی کہ اس کے علمی مسائل، اور اس کی فلسفیانہ موشگافیان، دینی فہم و ادراک کے تابع نظر آتی ہین، اس لئے فلاسفہ و اربابِ عقل اس کی راہ سے دین کے رشتہ کو پاسکتے ہین، اور یونانی فلسفہ و حکمت سے متاثر دماغون مین دینی مباحث و مسائل کے دلائل مستحضر ہوسکتے ہین اسلئے طبقۂ عقلاً کیلئے یہ ایک سودمند تصنیف قرار پاسکتی ہی،

اس کتاب کے قلمی نسخے یورپ کے مختلف کتب خانون مین موجود ہین، برٹش میوزیم مین اس کا نمبر [illegible] ہی، ریو نے اس نسخہ کا مفصل حال لکھا ہی، (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ ص ۴۳۴) نیز انڈیا آفس مین یہ دو نمبرون ۲۲۱۹ و نمبر ۲۲۲۰ مین موجود ہی، اسی طرح دانشا اور برلن کے کتب خانون مین اس کے نسخے موجود ہین اور مختلف ممتاز مستشرقین نے مصنف اور اس کی اس تصنیف کے حالات مختلف فہرستون مین لکھے ہین (فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس جلد ۱ ص ۱۲۱۰، ۳۹۴ وغیرہ)

اگر علامہ قطب الدین شیرازی کی دوسری تصنیفات کے متعلق بھی جستجو کیجائے تو غالبًا یورپ کے مختلف

کتب خانون مین ان کا سراغ لگ سکتا ہی اور ان کے متعلق مزید معلومات فراہم ہو سکتے ہین،

ہندوستان کے اہلِ علم کے درمیان بھی علامہ شیرازی کی تصنیفات متداول رہی ہین، چنانچہ مولانا عبد الحئی فرنگی محلی مرحوم نے اپنے ایک تعلیق مین ان کی شرح القانون، شرح المختصر، شرح المفتاح، التحفۃ اور نہایۃ الادراک وغیرہ کے مطالعہ کا تذکرہ کیا ہے (تعلیق بر الفوائد البہیہ ص ۵۷) اس لئے یقین ہی کہ ہندوستان کے مختلف کتب خانون مین بھی ان کی تصنیفات محفوظ ہون گی، آپ بانکی پور، رام پور، اورنٹیل کالج لاہور، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد، وغیرہ کی فہرستون سے ان کا سراغ لگا سکتے ہین،

درۃ التاج کا یہ مطبوعہ نسخہ بھی پانچ قلمی نسخون سے ترتیب پایا ہے، اور بڑے اہتمام سے تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہی، اس کے مصحح سید محمد مشکات نے اس پر ایک پر معلومات مقدمہ لکھا ہے، اور اس کو علٰحدہ علٰحدہ چند جلدون مین شائع کیا ہے، ہمارے یہان اس کی پانچ جلدین جو سوا سوا سو، ڈیڑھ ڈیڑھ سو صفحون پر مشتمل ہین، موجود ہین، پانچوین جلد مین جملہ پنجم کے علم الٰہی کے مباحث ہین، اس کے معنی یہ ہین کہ چھٹی جلد خاتمہ کتاب اور اس کے چارون اقطاب کے مباحث پر مشتمل ہوگی، معلوم نہین آپکے دوست کے پاس اس کی جو دو جلدین ہین، ان مین کہان تک کے مباحث موجود ہین، بہرحال جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا یہ کتاب مطبوعہ کتب مین سے ہے، اس لئے آپکے نسخہ مین جو ندرت ہو سکتی ہے، وہ اس نسخہ کی ذاتی ہوگی، اس کے مطبوع ہونے کی وجہ سے دائرۃ المعارف حیدر آباد مین شاید اس کے لئے گنجایش نہ ہو، البتہ قلمی کتابون کے شائقین آپکے نسخہ کی قدر کر سکتے ہین، ہو سکتا ہے کہ یہ سطرین جب معارف مین شائع ہون تو ان کے پڑھنے والون مین سے کوئی صاحب ذوق ایسے نکل آئین، جو آپ کے دوست کے اس نسخہ کی قدردانی فرمائین، اور ان کی نگاہ و توجہ سے یہ نسخہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے اور آپکے دوست کی وقتی ضرورت بھی پوری ہو جائے،

والسلام

"س"

ادبیات

ذوق و شوق!

از جناب انور کرمانی لاہور

سیلِ بلا کو بڑھ کے روک، تندیِ موج سے نہ ڈر
منزلِ ذوق و شوق کی موت بھی اک ہے رہگذر

قیدِ مکان ولامکان توڑ گیا میرا جنون!
رازِ حیات پا لیا، اپنی خودی مین ڈوب کر

دل کی متاع بے بہا، عشق کا جذبۂ بلند
میری یہ آہِ نیم شب، میرا یہ نالۂ سحر

عزم جبین پہ ہو فاش، یعنی لالہ کا راز
اب بھی لبِ فرات سے آتی ہی بانگ لا تذر

نکتہ راہِ ہوش و کیف کھول گئی بیانِ کرد
عقل کا مدعا خبر، عشق کی آرزو نظر

آتشِ گل بھڑک اٹھی شعلہ نواہے عندلیب
کس کے نفس کے سوز سے صحنِ چمن ہی پر شرر

معرکۂ وجود مین راز یہی بقا کا ہے!
زندہ و جاودان ہی وہ جس کی نظر ہی خود نگر

اٹھنے کو ہے وہ انقلاب، سینۂ کائنات سے
جس کے لئے ہین مہر و ماہ چشم براہ سر بسر

یون دلِ ناصبور ہی سینے مین پائمالِ غم!
طائرِ کہ بہار ہو جیسے کوئی شکستہ پر

غزل

از جناب رمز گنوری

دل و دماغ پہ چھایا ہوا ہے رنگِ جمود
ادھر بھی دیکھ لے اے نرگسِ خمار آلود

نگاہِ شوق سے مستور دل مین ہے موجود
کہ اوس کی ذات ہی آئینہ دارِ غیب و شہود